گلشنِ اخلاق



حضرت علامہ مولانا محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ

تنظیم نوجوانان اہلسنت جامع مسجد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ
بازار حکیماں اندرون بھاٹی گیٹ لاہور پاکستان

گلشن اَخلاق

﴿تالیف﴾

حضرت علامہ مولانا پروفیسر محمد نور بخش توکلی رحمہ اللہ تعالیٰ

ناشر

تنظیم نوجوانان اھلسنت

جامع مسجد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

بازار حکیماں اندرون بھاٹی گیٹ لاہور

بیاد

امام الائمہ، سراج الامہ، کاشف الغمہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رحمہ اللہ تعالیٰ

امام اہلسنت، الامام الاکبر، مجدد دین وملت حضرت مولانا الشاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

نام کتاب .... **گلشن اخلاق**

مصنف .... حضرت مولانا محمد نور بخش توکلی علیہ الرحمہ

تصحیح وترتیب نو .... حافظ محمد شاہد اقبال جلالی

ناظم تعلیم جامعہ رفیق الاسلام کالا شاہ کاکو لاہور

اشاعت اوّل ۱۹۱۲ء

اشاعت دوم .... محرم الحرام ۱۴۳۵ھ۔ دسمبر ۲۰۱۳ء

صفحات 64

تعداد 1000

برائے ایصالِ ثواب

محترم جناب چوہدری سراج الدین صاحب کے والد گرامی، چوہدری محمد سلیمان صاحب ایڈووکیٹ مرحوم ومغفور اور ان کی والدہ ماجدہ مرحومہ مغفورہ کے ایصال ثواب کے لیے کتاب ھذا شائع کر کے مفت تقسیم کی جارہی ہے۔ کتاب سے استفادہ کے بعد دونوں مرحومین کی مغفرت، بلندی درجات اور شفاعت مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ضرور دعا کیجئے۔

ملنے کا پتہ

تنظیم نوجوانان اہلسنت

جامع مسجد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

بازار حکیماں اندرون بھاٹی گیٹ لاہور

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت علامہ مولانا پروفیسر محمد نور بخش توکلی علیہ الرحمۃ

حافظ محمد شاہد اقبال

(ناظم تعلیم جامعہ رفیق الاسلام، کالا شاہ کاکو، لاہور)

ولادت:

حضرت علامہ مولانا پروفیسر محمد نور بخش توکلی علیہ الرحمۃ ۱۲ ربیع الاوّل ۱۲۸۸ھ جون ۱۸۷۱ء بروز جمعۃ المبارک چک قاضیاں، ضلع لدھیانہ (مشرقی پنجاب) ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد گرامی میاں شادی شاہ صاحب ایک صوفی منش، زراعت پیشہ انسان تھے اور حضرت خواجہ عبدالخالق جہاں خیلاں نقشبندی علیہ الرحمۃ کے مرید خاص تھے۔

تعلیم وتربیت:

حضرت علامہ توکلی علیہ الرحمۃ نے ابتدائی تعلیم اپنے مقامی سکول ومدرسہ میں حاصل کی۔ سکول میں اپنی خداداد صلاحیت و ذہانت، محنت اور شرافت کی وجہ سے مقبول تھے۔ مقامی سکول وکالج اور مدارس سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں داخل ہوئے اور ایم اے عربی میں نمایاں اور امتیازی حیثیت سے کامیابی حاصل کی۔ تعلیم کے دوران آپ تنظیمی وتحریکی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیتے رہے۔ آپ کے نواسے جناب سراج الدین صاحب (ساکن ڈیفنس، لاہور) کے بقول کہ حضرت توکلی علیہ الرحمۃ علی گڑھ مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے سیکرٹری جنرل بھی رہے اور آپ ضلع لدھیانہ میں پہلے مسلمان تھے جنہوں نے ایم اے پاس کیا تھا۔

بیعت وخلافت

ان دنوں انبالہ میں حضرت سائیں توکل شاہ انبالوی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کا آستانہ روحانی فیوض وبرکات کا مرکز تھا۔ آپ آستانہ توکلیہ پر حاضر ہوئے تو حضرت شیخ نے پوچھا

کہ آپ کے والد کس آستانہ سے عقیدت وارادت رکھتے ہیں؟ آپ نے بتایا کہ حضرت خواجہ عبدالخالق جہاں خیلاں نقشبندی علیہ الرحمۃ کے مرید ہیں، تو شیخ نے فرمایا: آجاؤ! یہ تمہارا اپنا ہی گھر ہے اور مجھے فوراً بیعت کرلیا۔ اس طرح آپ پر نور وعرفان اور فیوض و برکات کے دروازے کھل گئے۔ شیخ طریقت نے ۱۳۱۵ھ، ۱۸۹۷ء میں سند خلافت و اجازت سے سرفراز فرمایا۔ اسی وجہ سے آپ اپنے نام کے ساتھ توکلی لکھا کرتے تھے۔

مرشد گرامی حضرت سائیں توکل شاہ انبالوی علیہ الرحمۃ کے وصال کے بعد آپ اپنے استاذ گرامی حضرت علامہ مولانا محمد مشتاق احمد انبیٹھوی ثم لدھیانوی سے سلسلہ عالیہ صابریہ چشتیہ میں سند خلافت واجازت سے بھی فیض یاب ہوئے۔ حضرت مولانا مشتاق احمد انبیٹھوی جلیل القدر عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ عظیم مبلغ و مصلح اور شیخ طریقت بھی تھے۔ حضرت مولانا محمد نور بخش توکلی علیہ الرحمۃ کو اپنے استاذ و شیخ سے قلبی لگاؤ تھا۔ آپ نے اپنے استاذ حضرت انبیٹھوی علیہ الرحمۃ کی کچھ کتابوں کے تراجم وحواشی لکھ کر دارالعلوم انجمن نعمانیہ لاہور کی طرف سے چھپوانے کا اہتمام وانتظام بھی کیا۔

امرتسر اور گورنمنٹ کالج لاہور میں پروفیسر:

۱۸۹۶ء میں آپ میونسپل کالج امرتسر میں عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ اس کے باوجود علم دین سے اس قدر شغف تھا کہ حضرت مولانا غلام رسول قاسمی، کشمیری، امرتسری (م ۱۹۰۶ء) المعروف رسل بابا کے حلقہء درس میں شامل ہوتے اور طلباء کے ساتھ چٹائی پر بیٹھ کر فقہ، حدیث، تفسیر اور دیگر علوم وفنون کا درس حاصل کیا کرتے تھے۔

غالباً ۱۹۱۲ء کے آخر یا ۱۹۱۳ء کے شروع میں گورنمنٹ کالج لاہور میں عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے اس دوران آپ دینی وعلمی مجالس میں سرگرمی سے حصہ لیتے تھے۔

دارالعلوم انجمن نعمانیہ لاہور کے ساتھ وابستگی:

شہر لاہور میں چند اہل درد، علم دوست اور دین سے محبت رکھنے والے بزرگوں نے

۱۳۰۵ھ، ۱۸۸۷ء میں برصغیر پاک وہند کی قدیمی دینی اسلامی درسگاہ دارالعلوم انجمن نعمانیہ لاہور کی تاریخی عالمگیری بادشاہی مسجد لاہور میں بنیاد رکھی، مسجد کے وسیع وعریض صحن اور برامدوں میں درس نظامی اور حفظ وقرات کی کلاسوں کا آغاز کیا۔ اس دارالعلوم کو ایسے جلیل القدر اور جید نابغہء روزگار علماء کرام کی ایک جماعت میسر آگئی، جن کی شبانہ روز کاوش سے تشنگان علوم اسلامیہ ادھر متوجہ ہوئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں دارالعلوم کی حسن کارکردگی کا چرچا سارے ہندوستان میں پھیل گیا۔

ان علماء کرام میں ایک نام حضرت علامہ مولانا پرفیسر محمد نور بخش توکلی رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی ہے۔ آپ گورنمنٹ کالج لاہور میں پروفیسر مقرر ہونے کے ساتھ ہی دارالعلوم انجمن نعمانیہ لاہور کے ساتھ وابستہ ہوگئے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں آپ اپنی قابلیت اور علمی ذوق وشوق کی وجہ سے دارالعلوم کے علمی وتحقیقی مجلّہ کے مدیر مقرر ہوئے اور کئی سال تک آپ کی زیر سرپرستی دارالعلوم کا ماہنامہ جاری ہوتا رہا، بعد میں آپ انجمن ہذا کے ناظم تعلیم بھی مقرر ہوئے۔

چک قاضیاں میں مدرسہ اسلامیہ توکلیہ کی بنیاد:

آپ نے اپنے گاؤں چک قاضیاں، ضلع لدھیانہ میں ۱۹۲۶ء میں ایک مسجد اور مدرسہ اسلامیہ توکلیہ کی بنیاد رکھی۔ مدرسہ بنانے کے لئے آپ نے اپنی جیب خاص سے بغیر کسی کی مالی معاونت کے زمین خریدی اور مسجد ومدرسہ کی تعمیر کی۔ اس دور میں انگریزی سرکار بی۔اے پاس اہل علم کو اپنا ہمنوا بنانے کے لئے جاگیریں اور مال ودولت دیتی تھی۔ آپ کو بھی پیش کش ہوئی مگر آپ نے ٹھکرادی اور جاگیر ودولت لینے سے انکار کردیا۔ آپ کے قائم کردہ مدرسہ اسلامیہ توکلیہ سے علاقہ کے کثیر تعداد میں طلباء مستفید ومستفیض ہوتے اور علم کی روشنی حاصل کرتے تھے۔

کتب خانہ:

آپ نے اپنے گاؤں چک قاضیاں میں اپنا بہت بڑا کتب خانہ بنایا ہوا تھا۔ پاکستان بننے کے بعد آپ کا کتب خانہ جلادیا گیا۔ جناب سراج الدین چوہدری صاحب بیان کرتے

ہیں کہ ہم ۱۷ستمبر ۱۹۴۷ء کو ہجرت کر کے براستہ لاہور فیصل آباد پہنچے۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت نے مراقبے کی حالت میں اپنا کتب خانہ جلا ہوا دیکھا، تو میرے والد گرامی چوہدری محمد سلیمان ایڈووکیٹ کو فرمایا: کہ گاؤں کے سکھ نمبردار کو تار بھیج کر پوچھو کہ تم نے تو کہا تھا کہ ہم تمہارے مال واسباب، گاؤں کے مکانات اور کتب خانہ کی حفاظت کریں گے تو یہ کتب خانہ کس نے جلایا ہے؟ اس سکھ سردار نے جواباً تار بھیجا اور نہایت دکھ اور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ واقعہ بالکل درست ہے، مگر کتب خانہ جلانے میں ہمارے گاؤں کے لوگ ملوث نہیں۔ بلوائیوں اور حملہ آوروں کا ایک ٹولہ باہر سے آیا، اور انہوں نے یہ افسوس ناک حرکت کی ہے۔ آپ پہلے ہی خاموش طبع تھے۔ اس واقعہ اور صدمہ کے بعد آپ نے بالکل ہی خاموش اختیار کر لی۔

تصنیف وتالیف:

حضرت مولانا محمد نور بخش توکلی علیہ الرحمۃ تحریر وتصنیف کی ضرورت واہمیت سے بھی پوری طرح آگاہ تھے۔ قدرت نے انہیں وسیع معلومات، قوت استدلال اور عام فہم انداز میں تحریر کا ملکہ عطا فرمایا ہوا تھا۔ دارالعلوم انجمن نعمانیہ لاہور کے ماہناموں میں آپ کے اکثر وبیشتر علمی و تحقیقی مضامین شائع ہوتے تھے۔ آپ کی علمی اور تحریری کاوشوں کا سلسلہ کافی طویل ہے۔

وصال ومزار:

قیام پاکستان کے بعد آپ لائلپور (فیصل آباد) منتقل ہو گئے۔ اپنی عمر کے آخری ایام میں بھی آپ نے سلسلہ تصنیف جاری رکھا ہوا تھا۔ سورۃ فاتحہ کی تفسیر کے بعد سورۃ البقرہ کی تفسیر کے چند رکوع ہی لکھے تھے کہ ۲۴ مارچ ۱۹۴۸ء کو آپ کا وصال ہو گیا اور اپنے خالق حقیقی سے جا ملے ﴿انا للہ وانا الیہ راجعون﴾ آپ کی وصیت کے مطابق فیصل آباد میں حضرت نور شاہ ولی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار شریف کے احاطہ میں آپ کو دفن کیا گیا۔ آپ کے برادری نسبتی چوہدری محمد سلیمان صاحب ایڈووکیٹ نے آپ کا خوبصورت مزار وگنبد تعمیر کروایا۔

دیباچہ

آج کل بہت سے لڑکے اس غرض سے سرکاری سکول میں بھیجے جاتے ہیں کہ علوم مروجہ کی تحصیل کے بعد ملازمت سے اپنا پیٹ پالیں۔ مگر شکم پروری کو تعلیم کی علت غائی قرار دینا کمال نادانی ہے۔ تعلیم کی اصلی غرض یہ ہے کہ انسان اخلاقِ قبیحہ سے محفوظ رہے۔ اور اخلاق جمیلہ سے متصف ہو کر بنی آدم کو اپنے نیک خیالات کی اشاعت سے فائدہ پہنچائے۔ یہ غرض علم اخلاق کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ سکولوں کے نصاب میں اس علم کے مسائل ضمناً کہیں کہیں آجاتے ہیں۔ مگر کوئی مستقل کتاب دیکھنے میں نہیں آئی، اس لئے اخلاق میں ایک عمدہ ٹیکسٹ بک کی سخت ضرورت ہے۔ اسی کمی کو پورا کرنے کے لئے یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ مجھے قوی امید ہے کہ اگر یہ کتاب سکولوں میں پڑھائی جائے تو ہمارے تعلیم یافتہ نوجوان یونیورسٹی کی سند کے ساتھ خلیق اور وفادار رعایا ہونے کی سند بھی سکول سے لے کر نکلا کریں گے۔

محمد نور بخش ایم۔اے

خُلق کی تعریف

جب ہم کسی شخص کی مدح کیا کرتے ہیں۔تو کہا کرتے ہیں کہ وہ خَلق وخُلق میں اچھا ہے۔مگر ایسے طلبہ بہت کم ہونگے۔جنہوں نے ان دولفظوں کے معنوں کی طرف توجہ کی ہو۔انسان دو چیزوں سے مرکب ہے۔جسم اور روح،جسم کو تو ہم بصارت سے معلوم کرتے ہیں۔مگر روح یا نفس کا علم ہمیں بذریعہ بصیرت ہوتا ہے۔تم جانتے ہو کہ جسم کی شکل اچھی یا بری ہوا کرتی ہے۔اسی طرح نفس کی ہیئت بھی اچھی یا بری ہوتی ہے۔ہیئت جسمانی کا نام خَلق اور ہیئت باطنی کا نام خُلق ہے۔اگر زیادہ تفصیل چاہو تو یوں کہدو۔کہ خُلق وہ مَلکہ یعنی نفس کی ہیئت راسخہ ہے۔جس سے اَفعال آسانی سے بلا تکلف صادِر ہوتے ہیں۔اگر وہ اَفعال نیک ہوں۔تو اُس ہیئت کو حُسنِ خُلق کہیں گے۔اگر بد ہوں تو سوءِ خُلق کہیں گے۔

تہذیبِ اَخلاق کی ضرورت

اوپر بیان ہو چکا ہے۔کہ انسان کی ترکیب دو چیزوں سے ہے۔یعنی جسم وروح جسطرح کھانسی،نزلہ،تپ،ہیضہ وغیرہ بیماریاں جسم کو عارض ہوتی ہیں۔روح یا نفس بھی،کینہ،حسد،جھوٹ،تکبر وغیرہ اَمراض میں مبتلا ہوجایا کرتا ہے۔لیکن ان دونوں قسم کی بیماریوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔جسم کی بیماریوں میں تو جان کا ڈر ہے۔مگر روح کی بیماریوں میں ایمان کا خوف ہے۔امراض جسمانی سے تو حیات فانی کے فوت ہونے کا اندیشہ ہے۔مگر روحانی امراض سے حیات ابدی کے تلف ہوجانے کا خطرہ ہے۔جب کسی کو تپ وغیرہ کوئی بدنی بیماری لاحق ہوتی ہے تو وہ اس کے علاج میں کیسی کوشش کرتا

ہے۔اس لئے باطنی امراض کے علاج میں بطریق اولیٰ کوشش ہونی چاہیے۔

تہذیبِ اَخلاق کا طریقہ اور فائدہ

باطن کی بیماریوں کا علاج بدن کی بیماریوں کی طرح ہوتا ہے۔جسمانی امراض میں پہلے مرض کی علّت دیکھا کرتے ہیں۔پھر اس علّت کی ضد کے ساتھ علاج کیا کرتے ہیں۔مثلاً اگر علت مرض حرارت ہو تو اس کا علاج ٹھنڈی دواؤں سے ہوتا ہے۔اور اگر برودت علّت ہو۔تو اس کے برعکس علاج کیا جاتا ہے۔اسی طرح روحانی امراض کا علاج بھی اَضداد کے ساتھ ہوتا ہے،چنانچہ مرض بخل کا علاج سخاوت سے اور تکبر کا تواضع سے کرتے ہیں۔

شاید تم یہاں یہ سوال کرو،کہ جو شخص سخی نہ ہو۔وہ سخاوت کیونکر سیکھ سکتا ہے۔اسکا جواب آسان ہے۔تم دیکھتے ہو کہ پرائمری کی جماعتوں کے طلبہ خوشخطی کیونکر سیکھتے ہیں وہ کاپی سلپ اپنے آگے رکھ لیتے ہیں۔اور قلم ہاتھ میں لے کر بہ تکلف اس کی نقل کرتے ہیں۔یہ مشق وہ جاری رکھتے ہیں۔یہاں تک کہ صفت کتابت انکی ذات میں مُحکم ہوجاتی ہے اور خطِ خوب جو پہلے ان سے بہ تکلف صادر ہوتا تھا،اب طبعاً صادر ہونے لگتا ہے۔اسی طرح جو شخص سخی بننا چاہے اسے پہلے سخیوں کے افعال بہ تکلف بجالانے چاہییں۔آخر کار وصف سخاوت اس سے طبعاً صادِر ہونے لگے گا۔اور اس سے اس شخص کو خوشی اور لذت حاصل ہوگی۔دیگر مَحَاسِنِ اَخلاق کا بھی یہی حال ہے۔

بچے خوشخطی سیکھنے کے لئے جس طرح خوشخطی کا نمونہ آگے رکھ لیتے ہیں۔اُسی طرح نیک اَخلاق سیکھنے کے لئے نیکی کے مجسّم نمونے ہروقت ان کے سامنے ہونے

چاہییں، تا کہ انکی تقلید کرتے رہیں۔ نیک صحبت کا ہونا یوں تو ہر ایک آدمی کے لئے ضروری ہے۔ مگر بچوں کو خصوصیت سے اس کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ان کا پاک دل ایک سادہ نفیس جوہر ہوتا ہے۔ جس میں ہر قسم کے نقش کی قابلیت موجود ہوتی ہے۔ اسی سبب سے والدین اور اُستاد مکارمِ اَخلاق کا نمونہ ہونے چاہییں۔

حُسن خُلق سیکھنے میں نیک صحبت سے دوسرے درجے پر کتب اَخلاق کا مطالعہ ہے۔ نیک لوگوں کے سوانح پڑھنے اور سننے سے بھی دل میں نیکی کی ترغیب پیدا ہوتی ہے۔ مُحاسبہء نفس بھی اخلاقی ترقی کے لئے ایک عمدہ نسخہ ہے جس کی ترکیب آگے بیان ہوگی۔

عزیزو! جب تم بیمار ہو جاتے ہو۔ تو کیسی کیسی کڑوی دوائیں پیتے ہو۔ ڈاکٹر کے نشتر کی تکلیف برداشت کرتے ہو، اور کھانے پینے میں طرح طرح کے پرہیز رکھتے ہو۔ یہ سب کچھ جسم فانی کی صحت کے لئے کرتے ہو۔ پس اَخلاق کی درستی کے لئے جس پر سعادت ابدی موقوف ہے۔ اس سے بھی زیادہ ریاضتوں اور سختیوں کی برداشت کرو۔ انسان کی قدر و منزلت حُسن خُلق ہی سے ہے۔ سلطان محمود غزنوی کا وزیر ایاز خوبصورت نہ تھا۔ کسی نے سلطان سے پوچھا کہ ایاز حسن سے بے بہرہ ہے۔ آپ اس پر کس لئے فریفتہ ہیں؟

سلطان نے جواب دیا، کہ میں اسکی صورت پر عاشق نہیں۔ بلکہ اس کی سیرت پر شیدا ہوں۔ حُسنِ خُلق وہ خوبی ہے کہ جس میں ذاتی نفع کے علاوہ عامہء خلائق کا فائدہ متصور ہے۔ اسی کی بدولت بیگانے اپنے بن جاتے ہیں۔ مگر سوءِ خُلق سے اپنے بھی بیگانے ہو جاتے ہیں۔ سچ ہے، خلیق محبوب خلائق ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس قدر انبیاء کرام و ھادیان خلائقِ گذرے ہیں۔ وہ سب کے سب کمال درجے کے خلیق

تھے۔ اللہ تعالیٰ جو ہم سب کا خالق ہے۔ کیسا خلیق ہے کہ بندے تو اس کی نافرمانی کرتے ہیں۔ مگر وہ گناہ کے سبب رزق کا دروازہ کسی پر بند نہیں کرتا۔

عزیزو! تمہیں تہذیب اَخلاق کی ضرورت اور اُس کا فائدہ تو معلوم ہو گیا۔ اب ہم اخلاقی خوبیوں کا ذکر کرتے ہیں۔

اَدب

اگر تم سے لفظ ادب کے معنی پوچھے جائیں، تو غالباً تم یہی جواب دو گے کہ تعظیم مگر یہ اسکے پورے معنی نہیں۔ ہم تمہیں بتاتے ہیں کہ ادب کے لفظی معنی ہیں۔ کسی چیز کا اندازہ نگاہ رکھنا۔ علم اخلاق میں اس سے مراد ہے نفس کو ناپسندیدہ قول و فعل سے بچانا۔ اور اپنی اور دوسروں کی حرمت و آبرو کا نگاہ رکھنا۔

انسان ادب ہی سے انسان بنتا ہے۔ اگر اس میں ادب نہ ہو تو محض حیوان ہے۔ ادب ہی کی بدولت ہم باطنی نعمتیں حاصل کر سکتے ہیں۔ اور برائیوں سے بچ سکتے ہیں۔ باادب جہاں جائے۔ اس کی عزت ہوتی ہے۔ انبیاء و اولیاء اور دیگر بزرگوں نے جو رتبے پائے ہیں، وہ ادب ہی کی برکت سے ملے ہیں۔

عزیزو! کسی عمل میں ادب کا پایا جانا اس کی قبولیت کی علامت ہے۔ اس لئے تمہارے واسطے ادب نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ اسی کی بدولت تم علم کی دولت سے مالا مال ہو جاؤ گے۔

رفتار و گفتار اور حرکات و سکنات میں مخاطب کے رتبے اور مکان و زمان کا لحاظ رکھو۔ والدین، استاذ، حکام وقت اور دیگر بزرگوں کی تعظیم کرو۔ جو تمہارے ہم پایہ

ہیں۔ان سے تواضع سے پیش آؤ۔ جو تم سے چھوٹے ہیں ان کے ساتھ پیار اور محبت سے رہو۔جس مجلس میں جاؤ اس کے آداب کو ملحوظ رکھو۔اپنے رتبے سے اونچا نہ بیٹھو۔ بیہودہ باتوں سے حاضرین کی سمع خراشی نہ کرو۔خود بات کرنے کی نسبت دوسروں کی زیادہ سنو۔کسی حکیم سے پوچھا گیا کہ آپ بولتے کم ہیں۔مگر سنتے زیادہ ہیں،اس کا کیا باعث ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ''خدا نے مجھے کان دو دیئے ہیں مگر زبان ایک دی ہے۔اس سے مطلب یہ ہے۔کہ بولنے کی نسبت سُننا دو چند چاہیئے''۔

سکول میں قواعد مدرسہ کا لحاظ چاہیے۔اگر جماعت میں ایک طالب علم کلام کر رہا ہو،تو قبل از اختتام تم نہ بولو۔اگر استاد نے ایک سے سوال کیا ہو،تو دوسرا جواب نہ دے۔استاد کی خدمت میں ادب سے رہو۔دوسروں کے سامنے ناک صاف نہ کرو۔ متکبروں کی طرح اکڑ کر نہ چلو۔اور چلتے وقت بوٹ کو زمین پر نہ مارو۔ہر قسم کے ادب میں اپنے ملک کا طریقہ اختیار کرو۔

بے ادبی بے نصیبی کی علامت ہے۔جو طالب علم بے ادب ہو۔وہ علم حاصل نہ کریگا۔اگر کر بھی لے تو ہر گز اس سے فائدہ نہ اٹھائے گا۔شیطان کو دیکھئے۔بے ادبی ہی کے سبب ملعون ہوا۔سچ ہے۔بے ادب بے نصیب۔با ادب با نصیب۔

صَداقت

مدرسے میں جو لڑکے سچ بولتے ہیں۔استاد ان کی کیسی قدر کرتا ہے؟ سچے آدمی کی ہر جگہ عزت و آبرو ہے۔سچ ہر پیشہ میں کامیابی کا ذریعہ ہے۔دیکھو سچی دوکانیں جو نیک نیتی سے کھولی جاتی ہیں۔کیسی کامیابی سے چل رہی ہیں؟

طلبہ میں سچ کی بڑی قلت ہے۔عموماً دیکھا جاتا ہے۔کہ جب کوئی لڑکا قصور کرتا ہے اور استاد اس سے باز پُرس کرتا ہے۔تو وہ سزا کے ڈر سے انکار کر دیتا ہے۔بعض دفعہ ایسا دیکھنے میں آیا ہے کہ جماعت میں سے ایک لڑکے نے دوسرے کی کتاب چُرا لی۔اور چند لڑکوں کو یہ چوری معلوم ہوگئی۔جب شکایت استاد کے پاس پہنچی۔تو اس نے جماعت سے دریافت کیا۔کسی میں اتنی اخلاقی جرأت نہ ہوئی،کہ چرانے والے کا نام لے دے۔

عزیزو! ہر حالت میں سچ بولو۔خواہ بظاہر اس میں تکلیف یا نقصان ہی ہو۔جو لڑکے قصور کرتے ہیں اور جھوٹ بول کر بچنا چاہتے ہیں،اُن کا قصور دُگنا ہو جاتا ہے۔ ایک تو قصور اور دوسرا جھوٹ۔اس کے برعکس جو طلبہ اپنے قصور کا اقرار کرتے ہیں۔ ان کا قصور اکثر معاف ہو جاتا ہے۔چونکہ اقرار کرنے والے کو اپنے گناہ پر ایک طرح کی ندامت ہوتی ہے۔اس لئے آئندہ وہ گناہ اس سے سرزد نہیں ہوتا۔اس طرح سچ کی بدولت انسان کے عیب بھی دور ہو جاتے ہیں۔

بعض لوگ بے سوچے سمجھے وعدہ کر لیتے ہیں۔پھر جب پورا نہیں کر سکتے۔تو اس کے خلاف کرنے پر مجبور ہوتے ہیں،اس واسطے تم پر واجب ہے کہ وعدہ کرتے وقت ہر پہلو پر نظر ڈال لو۔

دوسروں کی تعریف کرنے میں اکثر مبالغہ سے کام لیا جاتا ہے۔مگر یاد رہے،کہ مبالغہ بھی ایک قسم کا جھوٹ ہے۔خوشامدی لوگ اپنی غرض کے لئے اکثر جھوٹ بولا کرتے ہیں۔خوشامد گو اور خوشامد پسند دونوں بُرے ہیں۔

انسان جھوٹ،بول کر مخلوق سے کوئی بات چھپا سکتا ہے۔مگر خدائے عالم الغیب

سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ جو شخص جھوٹ بولتا ہے۔ وہ عجب احمق ہے۔ کہ خدا کو حقیر سمجھتا ہے اور انسان سے ڈرتا ہے۔ جھوٹے کی دنیا میں یہ سزا ہے کہ اس کا اعتبار اُٹھ جاتا ہے۔ اور اس کا سچ بھی جھوٹ سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ ایک چرواہے کا لڑکا کسی گاؤں کے قریب بکریاں چرایا کرتا تھا۔ اس کی عادت تھی کہ لوگوں سے مذاق کرنے کے لئے پکارا کرتا تھا کہ بھیڑیا آیا۔ ایک دو دفعہ اس کے ہمسائے مدد کو آئے۔ مگر انہوں نے کوئی بھیڑیا نہ پایا۔ آخر ایک دن سچ مچ بھیڑیا بھی آ گیا۔ لڑکے نے ہر چند شور مچایا کہ بھیڑیا آیا، بھیڑیا آیا۔ مگر لوگ اس کی عادت سے واقف تھے۔ کوئی اس کی مدد کو نہ آیا۔ بھیڑیے نے بے کھٹکے تمام گلّے کو لڑکے سمیت زخمی کیا۔

اوپر کے بیان سے یہ نہ سمجھنا کہ صداقت صرف قول میں ہوتی ہے۔ نہیں بلکہ عمل، نیت اور وعدے میں بھی ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص تسبیح یا مالا پھیرے۔ اور اپنے آپ کو پرہیزگار ظاہر کرے۔ مگر اس کا باطن تقویٰ سے بے بہرہ ہو۔ تو وہ اپنے عمل میں صادق نہیں۔ اگر اسکا باطن بھی ظاہر کے موافق ہو۔ تو بے شک وہ صادق کہلائے گا۔ نیت میں صداقت یہ ہے کہ نیک کام سے محض خدا کا تقرب چاہے۔ وعدے میں صادق وہ ہوتا ہے کہ اسے پورا کر دکھائے۔

حَجّاج اور مُجرِم

ایک روز حجاج ظالم جس نے ستر ہزار ناحق خون کئے۔ کسی جماعت کو سیاست کر رہا تھا، ان میں سے ایک نے جب اسکی نوبت آئی، یوں عذر کیا۔

مجرم: اے امیر! خدا تجھے نیکی دے، مجھے قتل نہ کر۔ کیونکہ آپ پر میرا ایک حق ہے۔

حجاج: وہ کیا؟

مجرم: فلاں دشمن ایک روز آپ کی غیبت کر رہا تھا اور آپ کے حق میں فحش باتیں کہہ رہا تھا۔ میں نے اسکو غیبت سے منع کر دیا اور گالیوں سے روک دیا۔

حجاج: اس امر پر کوئی گواہ پیش کرو۔

مجرم: یہ قیدی جو آپکے سامنے کھڑا ہے۔ میرا گواہ ہے۔

حجاج: (قیدی سے) خدا کو حاضر و ناظر جان کر بیان کرو۔ جو تمہیں معلوم ہے۔

قیدی: یہ سچ کہتا ہے۔ میں نے اپنی آنکھوں دیکھا اور کانوں سنا کہ یہ مجرم اس دشمن کو تیری غیبت سے منع کرتا تھا۔

حجاج: تو منع کرنے میں کس واسطے اس کے ساتھ شریک نہ ہوا؟

قیدی: میں تجھے اپنا دشمن جانتا تھا۔ اس لئے مجھ پر تیری رعایت واجب نہ تھی۔

حجاج: دونوں کو چھوڑ دو۔ مجرم کو حق کے سبب اور قیدی کو سچ کے سبب۔

نتیجہ: سچ نجات دیتا ہے اور جھوٹ ہلاک کر دیتا ہے۔

نیک صُحبت

کیا تم نے کبھی اُس مٹی کو سونگھ کر دیکھا ہے۔ جس سے گلاب کے پھولوں کا عرق کھینچتے وقت دیگچے کا مُنہ بند کر دیتے ہیں۔ تا کہ بھاپ نہ نکلے؟ وہ بھی گلاب کی طرح خوشبودار ہوتی ہے۔ مگر مٹی میں یہ خوشبو کہاں سے آئی؟ کچھ مدت گلاب کے ساتھ رہی۔ اِس لئے اُس میں بھی گلاب کا وصف پیدا ہو گیا۔ عزیزو! اسی طرح تم بھی اگر نیکوں کی صحبت میں رہو گے، تو نیک بن جاؤ گے۔

ہر انسان کو اُس کے ہمنشین پر قیاس کرنا چاہیے۔ اگر کسی کا ہمنشین علم دوست ہو تو اُس کو بھی علم دوست ہی سمجھنا چاہیے۔ ''نیک ہمنشین عطّار (عِطر فروش) کی مانند ہے جو تجھے اگرچہ عِطر نہ دے۔ مگر اُس کی خوشبو سے تو ضرور بہرہ ور ہوگا۔ اور بُرا ہمنشین لوہاروں کی بھٹی کی مانند ہے۔ کہ جس کی آگ سے اگرچہ تو نہ جلے۔ مگر اُس کے دھوئیں سے ضرور اذیّت پائے گا'' لقمان حکیم نے اپنے بیٹے سے کہا۔ ''بیٹا! ایمان کے بعد سب سے پہلے نیک دوست تلاش کرنا چاہیے۔ کیونکہ وہ درخت خرما کی مانند ہے۔ کہ جس کے سائے میں اگر تو بیٹھے گا۔ تو تجھے راحت دے گا۔ اگر تو اُس کی لکڑی لے گا۔ تو تجھے نفع دے گی۔ اور اگر تو اُس کا پھل کھائے گا تو لذیذ پاوے گا''

انسان پر جب مصیبت پڑتی ہے۔ تو اُس کا علاج سچے دوستوں کی ہمدردی سے بڑھکر نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ لارڈ بیکن لکھتا ہے۔

''دوستوں کے پاس اپنا حال ظاہر کرنے سے دو متضاد اثر پیدا ہوتے ہیں۔ یعنی خوشی بڑھتی ہے اور غم گھٹتا ہے۔ کیونکہ دوست کو اپنی خوشی میں شریک کرنے سے خوشی زیادہ ہوجاتی ہے اور غم میں شریک کرنے سے غم کم ہوجاتا ہے''۔

عزیزو! علماء و صلحاء اور دیگر بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوا کرو۔ مانا کہ عمدہ کتابیں اور بزرگوں کی سوانح تمہیں نیکی کی ترغیب دیں گے، مگر ان کا اثر زندہ مثال کے مقابلے میں بہت کم ہوتا ہے۔ زندہ بزرگ کی صحبت برق کی تاثیر رکھتی ہے۔ سالوں کے مجاہدے اور نفس کُشی سے باطن کو وہ صفائی حاصل نہیں ہوتی۔ جو کسی برگزیدہ بزرگ کی خدمت میں ایک ساعت کی حاضری سے ہوتی ہے۔

جہاں تک ہوسکے۔ تم ان اشخاص کی صحبت اختیار کرو۔ جو مکارم اخلاق میں تم

سے بڑھے ہوئے ہیں۔ جب کبھی تمہیں اپنے سے کم درجے کے لوگوں میں رہنے کا اتفاق ہو، تو اس بات کا خیال رکھو۔ کہ اگر تم ان کو اپنے جیسا بنانے کی کوشش نہ کرو گے۔ تو وہ تمہیں اپنے جیسا بنالیں گے۔

نیک صحبت کی نسبت بُری صحبت کا اثر جلدی ہوتا ہے۔ جیسے خراب ہوا تندرستی کے لئے مضر ہے۔ اسی طرح بُری صحبت نیک آدمی کو نقصان پہنچاتی ہے۔ دیکھو! حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان بدوں کی صحبت میں بیٹھا، تو نالائق بن گیا۔ اگرچہ کوئی سلیم الطبع شخص بُروں کی صحبت سے متاثر نہ ہو، مگر تہمت والا ضرور ہوجائے گا۔ چنانچہ اگر کوئی شخص نماز پڑھنے کے لئے بھنگڑ خانے میں جائے تو کم از کم بھنگ نوشی کا الزام اس پر ضرور لگے گا۔ شراب خانہ، تھیٹر راگ رنگ کی مجلسیں ایسی ہیں جہاں سے بد کاری اور تخریب اَخلاق کی ترغیب ملتی ہے۔ ایسی جگہوں میں نیک لوگوں کے جانے سے بدکاروں کو نہ صرف بہانہ، بلکہ ایک قسم کی سند مل جاتی ہے۔

امیرزادے کے لئے خشامدیوں کی صُحبت زہر قاتل ہے۔ کیونکہ وہ لوگ اپنے نفع کی طمع سے اسکو اپنے عیب پر واقف نہ ہونے دیں گے۔ بلکہ اس کی اتنی تعریف کریں گے کہ وہ اس عیب کو ہنر سمجھنے لگے گا۔ پھر وہ عیب اسکی طبیعت میں داخل ہوکر کبھی اس سے جدا نہ ہوگا۔ اس کے علاوہ خوشامد سے بڑی قباحت یہ ہوگی۔ کہ اس میں تکبر پیدا ہوجائے گا اور وہ اپنے آپ کو نہایت عقلمند اور ہوشیار سمجھنے لگے گا۔ پھر وہ کسی کی نصیحت نہ سنے گا۔ اس طرح وہ نالائق جہل مرکب کے مرض میں مبتلا ہوجائے گا اور بڑا ہوکر بزرگوں کو طرح طرح کے رنج و غم میں ڈالے گا، آخر کار خوشامدیوں کو مال و دولت لٹا کر خود تباہ اور محتاج ہوجائے گا اور خلاف شریعت عمل کرنے سے گنہگار ہوکر اپنی عاقبت کو

برباد کرلے گا۔غرض نہ دنیا کا رہے گا نہ دین کا۔

عزیزو! رذیلوں اور بازاری لڑکوں کے ساتھ نہ کھیلو۔ چوروں، قمار بازوں، جھوٹوں، پتنگ بازوں، کبوتر و بٹیر بازوں اور دیگر بُرے آدمیوں کی صحبت سے بچو۔ بُرے کو کبھی اپنا دوست نہ بناؤ، ورنہ اس کی بدی مرض متعدی کی طرح تم پر اثر کرے گی۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ ''بری صحبت سے تو تنہائی بہتر ہے''۔

وقت کی پابندی

تم دیکھتے ہو کہ سورج ہر موسم میں اپنے وقت پر نکلتا اور ڈوبتا ہے۔ پھول اپنے اپنے وقت پر کھلتے اور مرجھا جاتے ہیں۔ پرندے اپنے وقت پر اٹھتے اور چہچہاتے ہیں۔ اگر انسان اشرف المخلوقات ہو کر اپنا کام وقت پر نہ کرے۔ تو اس سے بڑھ کر اور کیا افسوس ہوگا۔

عزیزو! گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔ وقت زر و جواہر سے زیادہ قیمتی ہے۔ مگر حیف کہ تم اس کی قدر نہیں کرتے۔ اگر سفر کرنا ہو تو ریلوے سٹیشن پر گھنٹوں پہلے ہی پہنچ جاتے ہو۔ جائیداد اور دولت لٹانا تو تم گوارا نہیں کرتے۔ مگر وقت جیسی دولت کے لٹانے میں تمہیں ذرا بھی دریغ نہیں۔ ہمارے ملک کے نوجوان اپنا بہت سا وقت کھیل، تماشوں، تاش، پتنگ بازی و مرغ بازی وغیرہ میں ضائع کر دیتے ہیں۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ دوست، احباب باہم بیٹھ کر گھنٹوں گپ شپ میں گزار دیتے ہیں اور اسے تفریح سمجھتے ہیں۔

زندگی بھی خدا کی ایک نعمت ہے۔ جس کا شکریہ یہ ہے کہ اس کا ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیا جائے۔ اگر تم روزانہ ایک منٹ ضائع کرو گے۔ تو آہستہ آہستہ منٹوں کے گھنٹے اور گھنٹوں کے دن اور سال بن جائیں گے۔ بعض لوگ زندگی کی کوتاہی کی بے جا شکایت

کرتے ہیں۔ زندگی بمنزلہ جائیداد ہے۔ مالک اگر منتظم ہو، تو اپنی جائیداد کی مختصر آمدنی جاری رکھتا ہے۔

محنت، ہمت اور استقلال

یوں تو ہر کام میں یہ تینوں امر ضروری ہیں۔ مگر تحصیل علم میں خصوصیت سے ان کی ضرورت ہے۔ ہمت کے ساتھ انسان یوں اُڑتا ہے، جیسے پرندہ بازوؤں کے ساتھ۔ عالی ہمتوں کی نظر میں بڑے کام چھوٹے دکھائی دیتے ہیں۔ مگر پست ہمتوں کو چھوٹے کام بھی بڑے نظر آتے ہیں۔ جس طالب علم کا یہ ارادہ ہو کہ شیخ سعدی کی تمام تصانیف حفظ اور یاد کرلے۔ وہ ساری نہیں آدھی تو ضرور از بر کرلے گا، بشرطیکہ ہمت کے ساتھ محنت و استقلال بھی ہو۔ اگر ہمت ہو اور محنت و استقلال نہ ہو۔ یا اس کے برعکس محنت و استقلال ہو مگر ہمت نہ ہو تو ان دونوں صورتوں میں پوری کامیابی حاصل نہ ہوگی۔

کہتے ہیں کہ جب اسکندر رومی نے تمام جہاں کے فتح کرنے کا ارادہ کیا تو حکماء سے مشورہ کیا اور کہا کہ دنیا کا ملک بہت چھوٹا اور حقیر ہے۔ مجھے شرم آتی ہے کہ اس کے لئے لشکر کشی کروں، اس کے وزیر حکیم ارسطو نے عرض کی۔ کہ آپ دنیا کے ملک کے ساتھ ملک سعادت کو بھی شامل کرلیں۔ تاکہ جس طرح آپ تلوار سے دنیا کے ملک کو فتح کریں۔ عدل و انصاف سے ملک سعادت کو بھی مسخر کرلیں۔ سکندر نے اس بات کو بہت پسند کیا اور حکیم کی بہت تعریف کی۔ اس عالی ہمتی کے سبب سکندر کا نام آج تک یادگار ہے۔

پست ہمتی ترقی کی مانع اور ناکامیابی کا پیش خیمہ ہے، جو لڑکے پست ہمت ہوا کرتے ہیں۔ وہ یہ سوچا کرتے ہیں کہ امتحان میں کامیابی کے لئے ۳۳ فیصد نمبر درکار

ہیں۔اس لئے وہ ۳۳ ہی کو مدنظر رکھ کر محنت کرتے ہیں۔نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ۳۳ بھی حاصل نہیں کر سکتے۔کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ پست ہمت نہ ہو، انساں پست قامت ہوتو ہو۔

عزیزو! تمہارا ارادہ یہ ہونا چاہیے کہ سو فیصد نمبر حاصل کریں، اس صورت میں کامیابی کا بھی بڑا راز ہے۔اسے ہرگز نہ بھولنا۔

محنت ہمت کے متناسب ہوتی ہے۔جس قدر ہمت بلند ہوگی، طلب مقصد میں اتنی ہی کوشش زیادہ ہوگی۔محنت سے جسمانی اور دماغی قُویٰ (اعضاء) ترقی پاتے ہیں۔محنتی تندرست و توانا رہتا ہے۔تم دیکھتے ہو کہ لوہار کا بازو محنت سے ایسا قوی ہو جاتا ہے۔کہ دن بھر بھاری ہتھوڑا استعمال کر سکتا ہے۔جو لڑکا غبی ہو اس کی کُند ذہنی کا علاج بجز محنت کے کچھ نہیں ہو سکتا۔عموماً دیکھنے میں آتا ہے کہ محنتی طلبہ کے قوائے عقلیہ بڑے قوی ہوتے ہیں۔محنت سے رنج والم سب بھول جاتے ہیں۔وساوس شیطانی سے بچنے کا مجرب نسخہ محنت ہی ہے؟ محنت کے بعد آرام کیسا اچھا معلوم ہوتا ہے؟ محنت عزت و فخر کا باعث ہے۔مگر اہل ہند محنت کو وقعت کی نظر سے نہیں دیکھتے، بلکہ اکثر تو پڑھتے بھی اسی غرض سے ہیں کہ حصول معاش میں بہت محنت نہ کرنی پڑے۔

کاہلی حرمان اور ندامت کا باعث ہے۔کاہل ہمیشہ ذلیل رہتا ہے، بیکار کو شیطانی وسوسے بہت ستاتے ہیں۔مشہور ہے۔"بیکار بیٹھے، شیطان سوجھے" خدا نے تم کو کام کے لئے پیدا کیا ہے۔بیکار مت بیٹھو۔بیکاری سے بیگار بھلی، استقلال کامیابی کا کفیل ہے۔ہر کام میں کچھ نہ کچھ دقتیں پیش آیا کرتی ہیں۔تحصیل علم میں تو خصوصاً ایسے ہوتا ہے۔چنانچہ مشہور ہے کہ ہر چیز کے لئے کوئی نہ کوئی آفت ہوتی ہے۔مگر علم

کے لئے بہت سی آفتیں ہوتی ہیں۔دقتوں کو دیکھ کر ہرگز گھبرانا نہ چاہیے۔بلکہ مردانہ وار ان کا مقابلہ کرنا چاہیے۔جن لوگوں میں ثابت قدمی نہیں، ان کے کام اکثر اُدھورے رہا کرتے ہیں۔اگر تم ایک دفعہ امتحان میں ناکامیاب ہو جاؤ۔تو ہرگز جی نہ چھوڑو، کوشش کئے جاؤ۔ضرور کامیاب ہو گے۔

سقراط کا حال دیکھو۔وہ استقلال بدرجہء کمال رکھتا تھا۔افلاس اور خانہ داری کے روزمرہ کے جھگڑے۔بدمزاج و بدزبان بیوی کی صحبت۔اولاد کا بدتربیت و جاہل ہونا۔ظالم بادشاہوں سے پالا پڑنا۔مرتد و بدعتی اور انسان و خدا کا دشمن قرار پا کر جیل خانے میں جانا۔ان تمام مصیبتوں کو اس نے بڑی جواں مردی سے برداشت کیا۔اور اخیر میں جب زہر کا پیالہ دیا گیا۔تو اس نے ایسے استقلال سے پیا کہ چہرے پر ذرا بھی تغیر نہ آیا۔

عزیزو! اپنے ارادوں میں ثابت قدم رہو۔تمہارے جیسے اور بھی ہزاروں مفلس دنیا میں موجود ہیں۔اس مقام پر ہم تمہیں ایک مستقل مزاج لڑکے کا قصہ سناتے ہیں۔ذرا غور سے سنو۔

حکایت

ایک لڑکا ذوفال نام کا ملک افرنجہ کے ایک گاؤں عرطینہ میں پیدا ہوا۔اُس کا باپ نہایت ہی مفلس تھا اور کھیتی باڑی سے اپنا گذارہ کیا کرتا تھا۔دس برس کا تھا کہ ماں باپ کا سایۂ عاطفت سر سے اُٹھ گیا۔اِس بیکسی کی حالت میں ذوفال نے کچھ دنوں ایک دہقان کے مویشی چرائے۔مگر کسی خفیف قصور پر وہاں سے علیحدہ ہوا۔اور مجبوراً

وطن کو خیر باد کہنا پڑا۔ چنانچہ کڑکڑاتے جاڑے (سردی) میں قریۂ لوزینہ کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں بخار آگیا۔ بیہوش پڑا ہوا تھا۔ کہ ایک دہقان کا اُس طرف گذر ہوا۔ وہ اُسے اُٹھا کر اپنے گھر لے گیا۔ اور اُس کا علاج کیا۔ جب تندرست ہو گیا۔ تو کسی سوداگر کے ہاں بکریاں چرانے پر مقرر رہوا۔

اِس اثنا میں ایک روز اتفاقاً اُس نے کسی لڑکے کے پاس ایک کتاب دیکھی، جسمیں چرندوں اور پرندوں کی عجیب وغریب تصویریں تھیں۔ ذوفال اِس وقت تک کچھ لکھا پڑھا نہ تھا۔ مگر تصویروں سے سمجھ گیا۔ کہ اُس کتاب میں اُن ہی حیوانات کا بیان ہوگا۔ اب اُسے یہ شوق دامن گیر ہوا کہ کسی طرح اُن حالات سے واقف ہو جائے۔ اُس لڑکے سے کہا۔ آپ مجھے یہ کتاب پڑھ کر سنائیں مگر اُس نے انکار کر دیا۔ شوق کب چین لینے دیتا تھا۔ آخر کار ذوفال نے خود علم سیکھنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ مگر کوئی ایسا شفیق نہ ملا کہ اُسے مفت پڑھائے۔ اِسلئے یوں انتظام کیا کہ بکریاں چرانے کی اُجرت جو اُسے ملتی۔ اُسے اپنی حوائج ضروریہ (ضروری حاجتوں) میں صرف نہ کرتا۔ بلکہ ایک طالب علم کو دیتا اور اُس سے پڑھا کرتا۔ لیکن دوسرے شریر لڑکے اُس کے گرد آ جمع ہوتے۔ اُس پر ہنستے اور اُس کی تعلیم میں خلل انداز ہوتے، اِس لئے ذوفال ایسے مکان کی فکر میں ہوا کہ جہاں فارغ البالی سے پڑھ سکے۔ ایک روز اتفاق سے کسی خانقاہ کے پاس سے گذرا۔ جس میں ایک راہب فلیمان نام تھا۔ اُس کو مطالعہ کے لئے وہ مکان پسند آیا۔ اور اُس راہب سے اُس نے اپنا تمام حال بیان کیا۔

راہب نے ذوفال کی درخواست منظور کر لی۔ اُس وقت خانقاہ میں ایک خادم کی ضرورت تھی۔ وہ خدمت بھی ذوفال کے سپرد ہوئی۔ اس طرح وہ اطمینان سے وہاں

تعلیم پاتا رہا، مگر کچھ عرصے کے بعد اُس خانقاہ کے امینوں نے اُس خدمت کے لئے اپنے پاس سے ایک خادم بھیج دیا۔ ذوفال کو اپنی علیحدگی پر بہت افسوس ہوا۔ فلیمان رحم دل تھا، اُسے ترس آیا۔ ایک سفارشی چٹھی دے کر ذوفال کو اپنے ایک دوست کے پاس ایک اور خانقاہ میں بھیج دیا۔ اُس خانقاہ کے راہبوں کے پاس چند دودھ دینے والی گائیں تھیں۔ اُنہوں نے ذوفال کو چرانے کے لئے رکھ لیا۔ وہاں کے راہب اگرچہ ذوفال سے زیادہ پڑھے ہوئے نہ تھے۔ مگر اُن کے پاس کچھ کتابیں تھیں۔ ذوفال اجازت لیکر اُن کا مطالعہ کرنے لگا۔

اثنائے مطالعہ میں جس مقام کو وہ نہ سمجھ سکتا۔ اُس پر نشان رکھ لیتا اور جو لوگ اُس خانقاہ اور راہبوں کی زیارت کو آتے، اُن سے پوچھ لیتا۔ اِس طرح اُس نے وہ تمام کتابیں پڑھ لیں، اور اسے نئی کتابوں کی ضرورت پیش آئی۔ مگر چرانے کی اُجرت جو اُسے ملتی تھی۔ اُس کی خوراک و پوشاک کے لئے بھی کافی نہ تھی۔ چہ جائیکہ اُس سے نئی کتابیں خریدے۔

اُس خانقاہ کے نواح میں ایک جنگل تھا۔ جس میں چرند و پرند بکثرت تھے۔ ذوفال جال اور پھندوں سے اُنہیں پکڑ لاتا اور اُن کی کھالوں اور پروں کو بازار میں بیچ کر ضروری کتابیں خرید لیا کرتا۔ جنگلی حیوانات کے پکڑنے میں وہ بعض دفعہ سخت مصیبتیں جھیلتا تھا۔ چنانچہ ایک روز اُس نے ایک جنگلی بلّا درخت کی شاخ پر بیٹھا پایا۔ اُس کے عجیب رنگا رنگ بالوں کو دیکھ کر ذوفال کا جی للچایا۔ کہ اگر کسی طرح یہ پکڑا جائے تو اِس کی کھال بازار میں بڑے داموں پر بکے اور بہت سی کتابیں خریدی جائیں۔ اس خیال سے وہ درخت پر چڑھا، بلّا ایک شاخ سے دوسری پر کود جاتا تھا۔ یہاں تک کہ بلا

زمین پر اُتر آیا۔ اور بھاگ کر ایک پُرانے موٹے درخت کی کھوکھ میں پناہ گزیں ہوا۔ ذوفال بھی درخت سے اُتر کر وہیں پہنچا اور اُسے دُم سے پکڑ کر کھوکھ سے نکالا۔ تنگ آکر بلّا اُوس کے سر پر کودا۔ اور ایسا پنجہ مارا۔ کہ اُسے گھائل (زخمی) کر دیا۔ اور کچھ گوشت اور بال نوچ لئے۔ مگر اِس پر بھی ذوفال نے دُم نہ چھوڑی اور ایک درخت کے تنے پر ایسا دے مارا کہ اُس بیچارے کی جان نکل گئی۔ اُس کی کھال اُتار کر ذوفال نے خوشی خوشی بازار کی راہ لی۔ اور اُسے بہت گراں بیچ کر کتابیں خریدیں۔

ایک روز ذوفال پرندوں کی تلاش میں پھر رہا تھا۔ کہ اتفاق سے اُسے ایک سونے کا ٹکڑا مل گیا۔ اگرچہ اُسے خرچ کی سخت ضرورت تھی۔ مگر اُس نے شہر میں منادی (اعلان) کرا دی۔ کہ اِس طرح کا ایک سونے کا ٹکڑا مجھے جنگل سے ملا ہے۔ اُس ٹکڑے کا مالک کئی روز کے بعد خانقاہ میں آیا۔ ذوفال نے اُس کے حوالے کیا۔ مالک خوش ہوا اور ذوفال کی دیانتداری پر عَش عَش کرنے لگا۔ پھر اُس کا حال پوچھا۔ اور کئی درہم صلے کے طور پر دئے۔ جاتے وقت یہ کہہ گیا۔ کہ کبھی کبھی ہم سے ضرور ملا کرنا۔ اور اپنے حال سے اطلاع دینا۔ اس کے بعد جب ذوفال کو نئی کتابوں کی ضرورت پیش آتی۔ تو اِس مربی کے پاس آتا۔ اور وہ ہر دفعہ ایک درہم اُسے دے دیا کرتا۔

ذوفال کی یہ عادت تھی، کہ گایوں کو تو چراگاہ میں چرنے چھوڑ دیتا اور آپ قریب ہی کسی درخت کے نیچے بیٹھ کر کتابوں کے مطالعہ میں ایسا محو ہوتا کہ اُسے دنیا کی کچھ خبر نہ رہتی۔ ایک روز اتفاق سے اُس ولایت (ملک) کے بادشاہ کے دو لڑکے شکار کھیلنے اُس جنگل میں آئے۔ مگر راستہ بھول گئے۔ اور اُسی جگہ آنکلے جہاں ذوفال مطالعہ میں مشغول تھا۔ وہ یہ دیکھ کر بہت متعجب ہوئے، کہ چرواہا مطالعہ میں مشغول ہے۔ اور اُس

کے آگے کُرۂ زمین کا نقشہ اور کتابیں پڑی ہیں۔ وہ دونوں اُس کے سر پر آ کھڑے ہوئے۔ مگر اُس نے کچھ التفات نہ کی۔ اور اپنے مطالعہ میں لگا رہا۔ بڑے شہزادے نے اُس کا حال دریافت کیا۔ ذوفال نے اپنا ماجرا بیان کیا۔ شہزادوں نے کہا۔ کہ ہمارے ساتھ شہر میں چلو۔ ہم تمہیں اپنے دربار میں جگہ دیں گے۔

ذوفال نے کسی کتاب میں پڑھا تھا۔ کہ درباری لوگ خُلق و عادت میں سب سے بُرے ہوتے ہیں۔ اِس لئے اُس نے انکار کر دیا، اور کہا۔ اگر آپ مجھے تحصیل علم میں مدد دیں۔ تو میں چلنے کو تیار ہوں۔ اِس وعدے پر وہ اُسے شہر میں لے آئے۔ اور شاہی مدرسے میں داخل کرا دیا۔ کچھ عرصے کے بعد ذوفال علامہء زماں بن گیا۔ اور اُسی مدرسے میں پروفیسر مقرر ہوا۔ پھر بادشاہ نے اُسکے شوقِ علم کو دیکھ کر اُسے شاہی کتب خانے کا داروغہ مقرر کر دیا۔ ذوفال مدّت تک بڑی عزت و آبرو سے زندہ رہا۔ اور بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ جن سے اُس کا نام ہمیشہ صفحۂ ہستی پر یادگار رہے گا۔

نتیجہ:۔ ہمّت، محنت اور استقلال کے لئے کوئی شیئ سدِّ راہ (رکاوٹ) نہیں۔

اعتدال (میانہ روی)

دنیا میں جدھر نظر اُٹھا کر دیکھو۔ وہی چیز مرغوب ہے۔ جو اِفراط وتفریط (کمی و بیشی) سے خالی ہو۔ رنگوں میں وہی رنگ اچھا ہے۔ جو نہ زیادہ شوخ اور نہ بہت پھیکا ہو۔ موسموں میں موسم بہار اِسی لئے اچھا ہے۔ کہ اُس میں نہ سردی زیادہ ہوتی ہے اور نہ گرمی، کسی چیز میں افراط وتفریط کا نہ پایا جانا ہی اعتدال (میانہ روی) ہے۔

اعتدال ہر کام میں پسندیدہ ہے۔ اِس لئے خوراک و پوشاک۔ گفتار و رفتار اور

دیگر تمام اُمور میں میانہ روی اختیار کرو۔ نوجوان طلبہ میں اِس خوبی کی بڑی ضرورت ہے۔ کئی طالب علم ایسے ہوتے ہیں۔ کہ محنت میں افراط کے سبب موت کا نشانہ بن جاتے ہیں اور کئی ایسے ہیں کہ تفریط کے سبب ناکامی کے گڑھے میں گر کر برباد ہو جاتے ہیں۔

عربی میں ہے کہ خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُھَا کہ سب سے اچھا کام اوسط درجے کا ہوتا ہے۔ انگریزی میں ہے کہ خوبی وسط میں ہے۔ اِس سے ظاہر ہے کہ جب کوئی فضیلت اپنی حد سے تجاوز کر جاتی ہے۔ تو رزیلت بن جاتی ہے۔ تجاوز فقط افراط ہی کی طرف نہیں ہوتا۔ بلکہ تفریط کی طرف بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ حکمت اگر افراط کی جانب متجاوز ہو تو مکاری بن جاتی ہے۔ اور اگر تفریط کی جانب ہو، تو نادانی کہلاتی ہے۔ اِسی طرح شجاعت کی افراط بیباکی اور اُس کی تفریط بزدلی ہے۔ سخاوت کی جانب افراط فضول خرچی اور جانبِ تفریط کنجوسی ہے۔ اور تواضع کی جانب افراط تکبّر۔ اور جانب تفریط خواری کہلاتی ہے۔ پس حکمت۔ شجاعت، سخاوت اور تواضُع فضائل ہیں۔ اور مکّاری و نادانی، بیباکی و بُزدلی، فضول خرچی و کنجوسی اور تکبر و خواری رذائل ہیں۔

اعتدال کا یہ خاصہ ہے۔ کہ اِس کی بدولت اُمورِ متبائنہ (متضادہ) میں اُلفت پیدا ہو جاتی ہے۔ بیگانگی کو دُور کر کے یگانگی پیدا کرنا اِسی کا کام ہے۔ اِنسان کو دیکھئے۔ ہے تو مجموعہء اَضداد، مگر اعتدال کی بدولت اس کے اَخلاط متضادہ میں اتحاد قائم ہے۔ جب اعتدال میں فتور آجاتا ہے۔ تو اُس کی طبیعت بگڑ جاتی ہے۔ سلطنت کا حال بھی طبیعت انسانی کا سا ہے۔ لارڈ بیکن نے اعتدالِ سلطنت کی نسبت یوں لکھا ہے۔ ''سلطنت میں حفظِ اعتدال نادر اور مشکل شے ہے۔ کیونکہ اعتدال اور بے اعتدالی

دونوں متضاد اُمور سے حاصل ہوتے ہیں۔ مگر متضاد اُمور کا ملاپ اور شے ہے۔ اور اُنکا تبادلہ شئے دیگر۔ اپولونیس نے جو جواب ڈیسپیشن کو دیا تھا۔ اُس میں بہت عمدہ ہدایت درج ہے۔ ڈیسپیشن نے اُس سے پوچھا تھا۔ کہ نیرو کی تباہی کا کیا سبب تھا؟ اُس نے جواب دیا۔ کہ نیرو چنگ اچھا بجا سکتا تھا۔ اور اُسکا سُر بخوبی ٹھیک کر سکتا تھا مگر حکومت میں کبھی کھونٹیوں کو حد سے زیادہ چڑھا دیا کرتا تھا اور کبھی حد سے زیادہ اُتار دیا کرتا تھا۔ اور یہ یقینی امر ہے۔ کہ اختیار کی افراط و تفریط کا بے قاعدہ اور بے موقع تبادلہ سب سے بڑھ کر سلطنت کی بیخ کنی کرتا ہے۔'' کسی نے کیا عمدہ نصیحت کی ہے؟ کہ امارت میں اعتدال اور مصائب میں اِستقلال چاہیے۔

اتفاق

تم نے شہد کی مکھیوں کو دیکھا ہوگا۔ کیسے مل جل کر کام کرتی ہیں۔ شہد اسی اتفاق کا نتیجہ ہے۔

اتفاق عجیب نعمت ہے۔ آب و آتش اور خاک و باد ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ جب اِن دشمنوں میں اتفاق ہوگیا۔ تو اِنسان وجود میں آیا۔ انسان کیا دنیا میں جس قدر مرکبات ہیں۔ سب اتفاق کی بدولت قائم ہیں۔ اگر عناصر میں اتفاق نہ رہے۔ تو ایک ہی دم میں نظامِ عالم بگڑ جائے۔ جس طرح عناصر کے اتفاق سے مرکبات بنتے ہیں۔ افرادِ انسانی کے اتفاق سے قبیلے۔ جماعتیں اور قومیں بن جاتی ہیں۔ انگریزی میں ہے کہ اتفاق طاقت ہے۔ بیشک یہ درست ہے۔ لکھے پڑھے سب جانتے ہیں۔ کہ اگر ہندسہ ایک کے برابر دوسرا ایک لکھ دیا جائے تو اُس کی طاقت دس گنا بڑھ جاتی ہے۔

اگر تم ایک دہاگا لیکر توڑنا چاہو تو آسانی سے توڑ سکتے ہو مگر سو دہاگوں کا ڈورا بنا کر توڑو تو کامیاب نہ ہو گے۔ اتفاق وہ خوبی ہے، کہ جس کی بدولت مشکل سے مشکل کام آسان ہو جاتے ہیں۔

نا اتفاقی تنزل و تباہی کا باعث ہے۔ اس سے بڑے بڑے خاندان تباہ ہو گئے۔ عظیم الشان سلطنتیں خاک میں مل گئیں۔ تاریخ ایسی شہادتوں سے پُر ہے۔

عزیزو! اَن بَن اچھی نہیں۔ سکول میں اپنی جماعت کے لڑکوں سے بھائیوں کی طرح سلوک کرو۔ گھر میں بہن بھائیوں کے ساتھ محبت اور پیار سے رہو۔ اور اپنے محلّے کے لوگوں سے میل ملاپ رکھو۔ تمہیں اُن دو بیلوں کی حکایت تو یاد ہو گی۔ جن پر ایک شیر نے حملہ کیا تھا۔ جب تک وہ دونوں ملکر مقابلہ کرتے رہے۔ شیر غالب نہ آسکا، آخر کار اُس نے حیلہ سے اُن میں جدائی ڈال کر اُنہیں پھاڑ ڈالا۔

تمثیل

ایک نیک شخص کے ہاں کئی بیٹے تھے۔ جو آپس میں لڑا جھگڑا کرتے تھے۔ اُسے شب و روز یہی فکر دامن گیر تھا۔ کہ اِن کی زندگی کیونکر بسر ہو گی۔ ایک دن سب کو اپنے پاس بلایا۔ اور چند نازک چھڑیاں لیکر اُن کا مُٹھا بنالیا۔ پھر اُن سے کہا۔ کیا تم میں سے کوئی اِسے توڑ سکتا ہے؟ سب نے باری باری اُس پر زور آزمائی کی۔ مگر توڑنا تو درکنار۔ کوئی اُسے جھکا بھی نہ سکا۔ پھر باپ نے مُٹھا کھول کر ہر ایک کو ایک ایک چھڑی دی۔ اور کہا کہ اب توڑو۔ اُنہوں نے فوراً توڑ ڈالیں۔ تب باپ نے کہا۔ اے میرے پیارے بیٹو! یہ تمثیل تمہارے حسبِ حال ہے۔ اگر تم چھڑیوں کی طرح یکجا رہو گے اور مل جُل کر گذارہ کرو گے۔ تو کوئی تم پر غالب نہ آسکے گا۔ اگر نا اتفاقی سے

الگ الگ ہو جاؤ گے، تو برباد ہو جاؤ گے۔

رِعایتِ حقوق

خدا نے انسان کو ہستی کا خلعت پہنا کر دوسرے حیوانات کی طرح آزاد نہیں بنایا۔ بلکہ عقل کے زیور سے آراستہ کر کے اُسے مکلّف ٹھہرایا۔ اور اُس کے لئے خاص خاص فرائض مقرر کئے۔ جنکی بجا آوری اُس معبودِ حقیقی کی رضامندی کا باعث ہے۔ یہ فرائض نظر بسہولت تین قسموں میں منقسم ہو سکتے ہیں۔ اپنی ذات کے حقوق۔ غیروں کے حقوق، خدا کے حقوق۔

اپنی ذات کے حقوق

عزیزو! یہ جسم جو تم کو ملا ہے، اِس کے بھی تم پر حقوق ہیں۔ اِس کی صحت کا خیال رکھو۔ کیونکہ صحت کے بغیر دنیاء و آخرت کا کوئی کام بَن نہیں آتا۔ خوراک و پوشاک میں حتی المقدور احتیاط رکھو۔ شراب و نشے کی چیزوں سے پرہیز کرو۔ کسی صورت میں چھ گھنٹے سے کم نہ سویا کرو۔ ایک نہ ایک وقت ورزش جسمانی بھی کیا کرو۔ رہبانیت ہرگز اختیار نہ کرو۔ کیونکہ اُس میں جسم کی حق تلفی ہے۔

جسم کی ظاہری صحت کے ساتھ ساتھ اُس کی باطنی صحت کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔ ہمارا کوئی عضو ایسا نہیں جس سے کسی نہ کسی طاعت و معصیت کا تعلق نہ ہو۔ اِس لئے باطن کی صحت قائم رکھنے کے واسطے اپنے اعضا کو معاصی سے بچانا اور طاعت میں لگانا ہمارا فرض ہے۔

دل

دل کی اِصلاح سب سے مقدم ہے۔ کیونکہ دل بدن میں بمنزلہ پادشاہ کے ہے۔ اور اعضا اُس کی رعیت ہیں۔ اس لئے اگر دل تندرست ہو، تو سمجھئے کہ کُل بدن تندرست ہے۔ اگر یہ بگڑا، تو سارا بدن بگڑا۔ اِس کی اصلاح کا طریق یہ ہے۔ کہ اِسے اوصاف ذمیمہ (بُرے اوصاف) سے پاک کیا جائے، اور اوصافِ حمیدہ سے آراستہ کیا جائے۔ ہم ذیل میں اسکے بعض اوصاف کا ذکر کرتے ہیں۔

تکبّر وتواضع

اپنے آپ کو دوسروں سے برتر سمجھنے کو کِبُر یا تکبُّر کہتے ہیں۔ اگر بنظرِ غور دیکھا جائے، تو معلوم ہوگا۔ کہ تکبر کا اصلی باعث جہالت ہے۔ متکبّر کیسا جاہل ہے۔ کہ کبریائی میں جو کہ ذاتِ باری تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ شریک ہونا چاہتا ہے۔ تکبّر کا نتیجہ یہ ہوا کرتا ہے۔ کہ انسان شیطان کی طرح خدا کے اوامر ونواہی کی مخالفت کرنے لگتا ہے۔ اگر کوئی اُسے وعظ ونصیحت کرے۔ تو وہ اُس کے سننے سے نفرت کرتا ہے۔ متکبّر چونکہ اپنے آپ کو دنیا میں اَوروں سے بڑا سمجھتا ہے۔ اِس لئے قیامت کے دن ہر طرح ذلیل وخوار کیا جائے گا۔

بعض دفعہ اِنسان خیال کرتا ہے کہ میں کبر سے پاک ہوں۔ حالانکہ کبر اُس میں موجود ہوتا ہے۔ اس لئے کبر کی علامات کا بیان کر دینا ضروری ہے۔ تاکہ ہر ایک شخص آسانی سے اُس کی شناخت کر سکے۔ اور دھوکے میں نہ رہے۔ وہ علامات یہ ہیں۔

۱: وہ چاہے کہ لوگ میری تعظیم کے لئے اُٹھیں۔ یا میرے آگے کھڑے رہیں۔

۲: نہ چلے جب تک کہ کوئی دوسرا آدمی اُس کے پیچھے نہ ہو۔

۳: دوسرے کی ملاقات کے لئے نہ جائے، خواہ اِس کو اُس سے فائدہ بھی پہنچے۔

۴: اُسے اپنے ہم پایہ لوگوں میں سے کسی کے پیچھے چلنا یا کسی سے نیچے بیٹھنا گوارا نہ ہو۔ اگر ایسا اتفاق پڑ بھی جائے۔ تو اُس کے ساتھ چلنا یا بیٹھنا ہی ترک کردے۔ یا چلے یا بیٹھے۔ تو اِس طرح کہ دونوں کے درمیان اور اشخاص ہوں۔ جن میں سے ہر ایک کو یہ اُس سے ادنیٰ جانتا ہو۔ تاکہ یہ ظاہر ہو کہ اِس نے تواضع اختیار کیا ہے۔ کیونکہ اگر یہ اُس کے متصل مؤخر ہو۔ تو ہر ایک کو گمان ہوگا۔ کہ یہ اپنے اُس ہمسر سے ادنیٰ ہے۔

۵: بیماروں کے پاس بیٹھنے سے پرہیز کرے۔

۶: گھر میں کوئی کام اپنے ہاتھ سے نہ کرے۔

۷: گھر کی کوئی چیز بازار سے خرید کر نہ لائے۔

۸: لباس میں تواضع پسند نہ کرے۔ بلکہ اُس پر فخر کرے۔

۹: غریب کی دعوت سے نفرت کرے اور امیر کی دعوت کو خوشی سے قبول کرے۔

۱۰: اپنے ہمسروں کے ساتھ مناظرے میں حق کو قبول نہ کرے۔ اور اپنی خطا کا اقرار نہ کرے۔

تکبّر کا اصلی سبب تو جہالت ہے۔ مگر اس کے ساتھ اسبابِ ذیل بھی ہوا کرتے ہیں۔ علم، عبادت، حسب ونسب، جمال، قوت، مال، اولاد، منصب۔

ان اسباب میں علم سب سے بڑا سبب ہے۔ جس کا علاج دشوار ہے۔ چونکہ لوگوں میں علم کی بڑی قدر ومنزلت ہے۔ اس لئے نفسِ امارہ عالم کو اکثر اِس رذیلت کی طرف کھینچتا ہے۔ اِس کا علاج ان دوامور کا جاننا ہے۔

اوّل :۔ حقیقت میں عالم وہ ہے، کہ جس کی نیّت نیک ہو۔ جو علم پر عمل کرے۔ اور دوسروں کو اپنے علم سے فائدہ پہنچائے۔ ورنہ علم اُس کے لئے وبال ثابت ہوگا۔ اگر جاہل کوئی گناہ کرے۔ تو اُس کے لئے جہالت ایک عذر ہے۔ اگر عالم سے کوئی گناہ سرزد ہو۔ تو جاہل کی نسبت اُس کی سزا سخت ہوگی۔ اگر وہ اپنے حالات واعمال پر منصفانہ نظر ڈالے گا۔ تو اپنے آپ کو کسی نہ کسی امر میں ضرور قاصر پائے گا۔ اِس لئے علم کے سبب تکبّر کرنا محض جہالت ہے۔

دوم۔ کبریائی، خدا کی ذات سے خاص ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اگر کوئی عالم نقائص سے پاک تسلیم کیا جائے۔ تو اُس کے علم کا یہ ضروری ثمرہ ہے، کہ وہ خداترس ہو نہ کہ متکبّر۔

عابد بعض دفعہ اپنی عبادت کے سبب فاسق پر تکبر کرتا ہے۔ اِس کا علاج بھی دو امروں کا جاننا ہے۔

معرفتِ اوّل :۔ عبادت وہی اچھی ہے۔ جس میں خلوص نیّت اور تقویٰ ہو۔ اور ریا وغیرہ اُمور سے جو عبادت کے باطل کرنے والے ہیں، پاک ہو۔ لیکن اِس طرح کی عبادت ہم سے دشوار بلکہ متعذر ہے۔ اس لئے عبادت کے سبب تکبر کرنا نادانی ہے۔

معرفتِ دُوم :۔ خدا کے سوا کبریائی کسی کے لائق نہیں۔ اگر کوئی عابد تمام نقائص سے پاک تسلیم کیا جائے۔ تو اُس کی عبادت کا یہ ضروری نتیجہ ہے۔ کہ وہ متواضع ہو۔ نہ کہ متکبّر۔

حسب ونسب کے سبب تکبّر کرنا بھی جہالت ہے۔ کیونکہ آباء واجداد کا کمال کچھ فائدہ نہیں دے سکتا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل اور حضرت نوح علیہ

السلام کے بیٹے کنعان کو دیکھئے۔ کہ اُن کو نسب نے کچھ فائدہ نہ دیا۔

حسنِ صورت کے سبب تکبّر کرنا بھی بے وقوفی ہے۔ کیونکہ یہ فانی اور سریع الزوال ہے۔ چارپایوں کی طرح ظاہر پر نظر نہ ڈالو۔ بلکہ عقلمندوں کی طرح اپنے باطن کو دیکھو۔ ذرا سوچو تو سہی۔ کہ تمہاری پیدائش کس چیز سے ہے؟ اور تمہارے پیٹ، ناک، کان اور انتڑیوں میں کیا بھرا پڑا ہے؟ پھر مرنے کے بعد تمہاری کیا حالت ہوگی؟

قوّت جسمانی پر تکبّر کرنا بھی نادانی ہے۔ کیونکہ گدھے، بیل، اونٹ، گھوڑے اور ہاتھی میں سے ہر ایک انسان کی نسبت زیادہ طاقت رکھتا ہے۔ پس اُس وصف پر کیا فخر ہوسکتا ہے جس میں چارپائے بھی اُس سے سبقت لے گئے ہیں۔ اِس کے علاوہ قوّت کو ثبات ہی کیا ہے؟ ایک دن کے بخار سے سب زائل ہوجاتی ہے۔ اِسی طرح مال اور اولادو منصب کے سبب تکبّر نہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ یہ سب سریع الزوال ہیں۔ وہ شرف ہی کیا ہے۔ جس میں لاکھوں کروڑوں دوسرے بھی شریک ہوں۔ یا جسے کوئی چور یا ملک الموت یا حاکم ایک لحظہ میں زائل کردے۔

عزیزو! تکبّر ہرگز نہ کرو۔ اگر کوئی تم پر تکبّر کرے۔ تو تم ہرگز اُسے بزرگ نہ سمجھو گے۔ اسی طرح اگر تم بھی تکبّر کروگے، تو دوسرے تمہیں ایسا ہی سمجھیں گے۔ جیسا کہ تم متکبروں کو سمجھتے ہو۔ اگر تم بلند مرتبہ ہو۔ تو تمہیں دوسروں کو بچشم حقارت نہ دیکھنا چاہئے۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے۔ کہ بلند مرتبہ لوگوں کی جگہ کم حیثیت والوں نے لے لی ہے۔ بالفرض! اگر تم عیبوں سے پاک ہو، تو گنہگاروں کو حقارت سے نہ دیکھو۔ اگر خدا تعالیٰ بدکار کو بخشدے، تو اُسے کون منع کرسکتا ہے؟ اور اگر نیکوکار کو عذاب دے، تو اُسے کون چھڑا سکتا ہے؟ نیکوکار کو اپنی عبادت پر بھروسہ کرنا خطا ہے۔ اور گنہگار کو خدا کی

رحمت سے ناامید ہونا ناروا ہے۔ کیونکہ توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے۔

تکبّر کی ضد تواضع ہے۔ اپنے آپ کو اپنے مرتبے سے ذرا کم سمجھنے کا نام تواضع ہے۔ قیاس اِس امر کا مقتضی ہے۔ کہ اپنے تئیں نہ تو اپنے مرتبے سے زیادہ سمجھا جائے نہ کم۔ مگر چونکہ نفس بالطبع بلندی کی طرف مائل ہے۔ اس لئے احتیاط اِسی میں ہے۔ کہ اُسے اپنے مرتبے سے ذرا گرایا جائے۔ کیونکہ وہ اکثر اپنے مرتبے کو نہیں جانتا اور بزرگی کی خواہش اور غفلت کے سبب اپنے تئیں اپنے مرتبے سے برتر سمجھتا ہے۔ تواضع بزرگوں کے اخلاق سے ہے۔ خدا کے ہاں تواضع پسندیدہ اور رفع درجات کا باعث ہے۔ جو لوگ متواضع ہوتے ہیں۔ وہ اکثر علماء وصلحاء وفقراء کی صحبت کو پسند کیا کرتے ہیں۔ اور روزی اپنے کسب سے کمانے۔ گھر کے کام کرنے۔ بازار سے ضروریات لانے۔ موٹے کپڑے پہننے اور مساکین کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے سے عار (شرم) نہیں کرتے۔

حَسَد

اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ دوسرے سے وہ نعمتِ الٰہی زائل ہو جائے۔ جس میں اُس کی دینی یا دنیوی بہبودی ہے۔ یا یہ تمنّا کرے کہ وہ نعمت اُسکو نہ ملے۔ تو ایسی خواہش وتمنّا کو حسد کہتے ہیں۔ حسد کرنیوالے کو حاسد اور جس پر حسد کیا جائے اُسے محسود بولتے ہیں۔ حاسد خدا کا مخالف ہے، کیونکہ مشیّت ایزدی اِس امر کی مقتضی ہوئی۔ کہ وہ نعمت اُس بندے کو حاصل ہو۔ مگر حاسد چاہتا ہے۔ کہ وہ اُس کو نہ ملے یا اُس سے زائل ہو جائے۔ اگر زوالِ نعمت کا ارادہ نہ ہو۔ بلکہ یہ تمنّا ہو، کہ وہ نعمت مجھ کو بھی مل جائے۔ تو اِسے رَشک کہتے ہیں۔ رَشک بُرا نہیں بلکہ اچھا ہے۔ جس نعمت میں

محسود کی بہبودی ہو۔ اُسکا زوال چاہنا یا کوئی اور گناہ کرے۔ تو یہ خواہش کہ وہ دولت اُس سے زائل ہو جائے۔ بُری بات نہیں۔ بلکہ سچ پوچھو۔ تو مقتضائے غیرت یہی ہے۔ حسد کے نقصانات یہ ہیں۔

۱: حاسد ہر وقت رنج وغم میں رہتا ہے۔ کیونکہ خدا کی نعمت ہر دم کسی نہ کسی بندے پر نازل ہوتی رہتی ہے۔ جس سے یہ جلتا رہتا ہے۔

۲: اس رنج وغم پر حاسد کو کوئی اجر نہیں ملتا۔ بلکہ گناہ اُس کے ساتھ ہے۔

۳: حسد کے سبب حاسد غیبت وکذب وغیرہ گناہوں کا بھی مرتکب ہو جاتا ہے۔ کیونکہ محسود کے ستانے کے لئے وہ عموماً اُس کی غیبت کرتا ہے۔ اور اُس پر جھوٹے الزام لگاتا ہے۔

۵: حاسد سے خدا ناراض ہے۔

حسد کا علاج دو طرح سے ہوتا ہے۔ علمی اور عملی۔

علمی علاج یہ ہے۔ کہ جان لے کہ حاسد کا دین و دنیا دونوں میں نقصان ہے۔ چنانچہ اوپر بیان ہوا، اور محسود دونوں جہان میں کامیاب ہے۔ دنیا میں وہ یوں کامیاب ہے۔ کہ نعمت الٰہی کے علاوہ اُس کی یہ خواہش ہو سکتی ہے، کہ اُسکا دشمن ناکامیاب اور رنج وغم میں مبتلا رہے، سو اُس کا یہ مدعا خود ہی حاصل ہے۔ آخرت میں محسود کا فائدہ یوں ہے۔ کہ حاسد دنیا میں اُسے غیبت و بہتان وغیرہ سے ایذا دیتا رہتا ہے۔ اِس سبب سے محسود کے گناہ حاسد کے نامۂ اعمال میں اور حاسد کی نیکیاں محسود کے نامۂ اعمال میں درج ہوتی رہتی ہیں۔ اِس سے بڑھ کر حاسد کو اور کیا نقصان ہوگا۔ کہ اُس کی نیکیاں بھی محسود کو مل جاتی ہیں۔ حاسد تو اپنا بھلا اور محسود کا برا کرنا چاہتا ہے۔ مگر معاملہ برعکس ہو جاتا ہے۔ ایک بزرگ نے کیا خوب کہا ہے۔ کہ میں نے ایسا ظالم کوئی

نہیں دیکھا جو حاسد کی نسبت مظلوم سے زیادہ مشابہ ہو۔

حسد کا عملی علاج یہ ہے۔ کہ محنت اور ریاضت سے اپنے باطن کو حسد کے اسباب سے پاک کرے۔ یہ علاج بمنزلۂ جلاب کے ہے۔ جس سے مادۂ حسد خارج ہو جاتا ہے۔ اسبابِ حسد اور اُن کے ازالہ کے طریقے ذیل میں درج ہیں:

اوّل۔ وضعداری۔ جب ایک شخص کو کوئی نعمت ملتی ہے۔ تو اُس کے ہمسر دوسرے کو ڈر ہوتا ہے کہ مبادا وہ مجھ پر تکبّر کرے چونکہ بپاس وضعداری یہ اُس کے تکبّر کو برداشت نہیں کرسکتا، اِس لئے اُس کا حاسد بن جاتا ہے۔ اِس کا مدعا دوسرے پر تکبّر کرنا نہیں، بلکہ اُس کے تکبّر کو روکنا ہے۔ اِس کا علاج یہ ہے۔ کہ تواضع اختیار کرے۔

دوم۔ تکبّر۔ جس شخص کی طبیعت میں دوسرے پر تکبّر کرنا اور اُس سے خدمت لینا ہو۔ تو جس وقت دوسرے کو کوئی نعمت ملے گی۔ اِسے یہ اندیشہ ہوگا کہ مبادا وہ میری خدمت وتکبّر کو آیندہ گوارا نہ کرے۔ اس لئے یہ اُس نعمت کا زوال چاہے گا۔ اِس کا علاج بھی تواضع ہے۔

سوم۔ حُبِّ جاہ۔ چنانچہ جو شخص کسی فن میں بے نظیر ہونا چاہے اور حُبِّ ثنا اُس پر غالب ہو۔ وہ جب دنیا میں کسی کو اپنا مثل سُنے گا تو ناخوش ہوگا۔ اور اُس نعمت کا زوال چاہے گا۔ جس کے سبب وہ اِس کے مرتبے میں شریک ہے۔ اِس کا علاج زہد ہے۔

چہارم۔ حَقَدْ۔ جو شخص دوسرے سے کسی خاص سبب سے بُغض رکھتا ہے، وہ اُس کا بدخواہ و حاسد بن جاتا ہے۔ چونکہ حَقَد کا سبب غضب ہوتا ہے۔ اِس لئے اُس کا ازالہ حِلم سے ہوسکتا ہے۔

پنجم۔ خباثت وَ بُخلِ نفس۔ دنیا میں بعض لوگ ایسے ہیں۔ کہ اگرچہ

اُنہیں ریاست وتکبر و حُبِّ جاہ سے سروکار نہیں۔ مگر جب اُن سے کسی کے اقبال کا ذکر کیا جائے، تو اُن پر ناگوار گذرتا ہے۔ ایسے لوگ ہمیشہ دوسروں کے بدخواہ رہتے ہیں۔ اور یہ نہیں چاہتے۔ کہ کسی کو کوئی نعمت ملے۔ اِس قسم کے حسد کا علاج بہت مشکل ہے، کیونکہ یہ حسد جبلّی ہوتا ہے۔ مگر حسد کے نقصانات کو مدنظر رکھنے اور خیرخواہی کو دیر تک عمل میں لانے سے اس کا ازالہ ممکن ہے۔

جن لوگوں کا مقصد ایک ہوتا ہے۔ اُن میں اکثر حسد پایا جاتا ہے چنانچہ ایک استاد کے شاگرد۔ ایک پیر کے مرید۔ ایک شہر کے واعظ۔ ایک منصب کے طالب۔ ایک باپ کے بیٹے۔ اور ایک پادشاہ کے ندیم (وزیر) عموماً ایک دوسرے کے حاسد ہوتے ہیں۔

سر والٹر سکاٹ خود اپنی نسبت یہ قصہ بیان کرتا ہے۔ ”مدرسے میں میری جماعت میں ایک لڑکا تھا۔ جو ہمیشہ اول نمبر پر رہا کرتا تھا اور میں باوجود اپنی تمام کوشش کے اُس کا نمبر نہ لے سکتا تھا۔ بہت دن گزر گئے، اور باوجود میری محنت کے وہ لڑکا اپنے ہی نمبر پر رہا۔ یہاں تک کہ آخر کار میں نے دیکھا، کہ جب اُس سے سوال کیا جاتا ہے۔ تو وہ ہمیشہ اپنی واسکٹ کے حصہ زیرین میں ایک خاص بٹن کو اپنی اُنگلیوں سے ٹٹولتا ہے۔ اس لئے مجھے مصلحت اس میں نظر آئی کہ اُس بٹن کو اُڑا لیا جائے۔ چنانچہ ایک بُرے لمحے میں وہ چاقو سے کاٹ لیا گیا۔ مجھے اپنی تدبیر کی کامیابی دیکھنے کی بڑی فکر تھی۔ اور وہ بخوبی کارگر ہوئی جب اُس لڑکے سے پھر سوال کیا گیا۔ تو اُس نے انگلیوں سے اُسی بٹن کو ٹٹولا۔ مگر وہ نہ ملا۔ اس مصیبت میں اُس نے دیکھ بھال کی۔ مگر نظر بھی نہ آیا۔ وہ حیران و پریشان کھڑا رہا۔ اور میں نے اُس کا نمبر لے لیا۔ وہ پھر کبھی اپنا نمبر نہ لے

سکا۔اور نہ مجھے یقین ہے کہ اُسے کبھی شبہ تک بھی ہوا ہو کہ فلاں شخص میری ضرر رسانی کا باعث تھا۔ اِس کے بعد جب کبھی مجھے زندگی میں اُس کے پاس سے گزرنے کا اتفاق ہوا ہے، اُس کو دیکھ کر اکثر نادم ہوا ہوں۔اور میں نے بارہا اُس کے نقصان کی کچھ تلافی کرنے کا مصمم ارادہ کیا ہے۔مگر اِس نیک ارادے کا اثر قوت سے فعل میں نہ آیا۔''

عزیزو! کبھی کسی پر حسد نہ کرو۔ بلکہ جہاں تک ہو سکے۔ دوسروں کی خیر خواہی کرو، کیونکہ جو شخص دوسرے کا بُرا چاہتا ہے۔وہ حقیقت میں اپنا بُرا چاہتا ہے۔

حَسَدُ کا بُرا نتیجہ

ایک پارسا کسی بادشاہ کے سامنے کھڑے ہو کر ہر روز یہ کہا کرتا تھا۔ کہ ''نیکوں کے ساتھ نیکی کر۔ بدوں کو ان کی بدی کافی ہے''۔ بادشاہ کو یہ صدا بہت پسند آتی تھی۔ ایک حاسد نے کہہ دیا۔ کہ حضور یہ شخص آپ کو گندہ دہن کہتا ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ اس کی دلیل کیا ہے۔ حاسد نے جواب دیا۔ کہ جہاں پناہ اس کو اپنے پاس بلا کر دیکھیں۔ وہ اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لے گا۔ پھر حاسد نے پارسا کو اپنے گھر جا کر کھانا کھلایا۔جس میں لہسن کثرت سے پڑا ہوا تھا۔اور کہا کہ بادشاہ کو لہسن کی بو نہایت ناپسند ہے اس کا خیال رکھنا۔

اتفاقاً بادشاہ نے اسی وقت پارسا کو بلا بھیجا جب وہ بادشاہ کے قریب پہنچا۔تو اس خیال سے کہ بادشاہ کو لہسن کی بو سے تکلیف نہ پہنچے۔اپنا ہاتھ منہ پر رکھ لیا۔بادشاہ کو یقین آ گیا۔کہ حاسد نے سچ کہا ہے۔آپ نے ایک عامل کے نام خط لکھا۔جس کا یہ مضمون تھا۔کہ ''اس خط لانے والے کا سر کاٹ دو۔اور اس کی کھال میں بھُس بھر

میرے پاس بھیج دو۔'' خط پر اپنی مہر لگا کر پارسا کو دیا کہ فلاں جگہ لے جا۔ پارسا خط لے کر نکلا ہی تھا کہ وہی حاسد ملا۔ پوچھا کہاں جاتے ہو؟ جواب دیا کہ فرمان شاہی لے کر جاتا ہوں۔حاسد کو بادشاہ کی یہ عادت معلوم تھی۔کہ وہ اپنے دست مبارک سے بجز انعام وخلعت اور کچھ نہ لکھتا۔اس لئے وہ سمجھا کہ انعام کا فرمان ہے۔کہا۔لا میں لے جاتا ہوں۔پارسا نے اسے دے دیا۔

جب حاسد خط لے کر عامل کے پاس پہنچا۔عامل نے پڑھتے ہی اس کے قتل کا حکم دیا۔حاسد ہر چند رویا پیٹا۔کہ یہ حکم میرے واسطے نہیں۔دوسرے شخص کے لئے ہے۔ آپ بادشاہ سے پھر دریافت کر لیں۔عامل نے کہا کہ بادشاہ کا حکم صاف ہے۔دوبارہ پوچھنے کی ضرورت نہیں۔اور اسے قتل کروا ڈالا۔ درسرے روز پارسا نے بادشاہ کے سامنے جا کر حسب عادت صدا کی۔بادشاہ نے متعجب ہو کر پارسا سے پوچھا کہ تو نے وہ خط کیا کیا؟ اس نے جواب دیا کہ فلاں آدمی نے مجھ سے مانگا، میں نے اسے دے دیا۔بادشاہ نے کہا کہ وہ مجھ سے کہتا تھا کہ تو مجھے گندہ دہن بتاتا ہے۔پارسا بولا کہ میں نے ہرگز ایسا نہیں کہا ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ پھر تو نے اس روز اپنے منہ پر ہاتھ کیوں رکھا تھا، پارسا نے جواب دیا کہ اس نے مجھے لہسن ملا ہوا کھانا کھلایا تھا میں نے اس خیال سے اپنے منہ پر ہاتھ رکھا تھا کہ بادشاہ سلامت کو میرے منہ میں لہسن کی بو نہ آئے۔ بادشاہ یہ سن کر بہت خوش ہوا اور اسے انعام دیا اور کہا کہ ہمیشہ یہی کہا کر کہ ''نیکوں سے نیکی کرو۔ بدکردار کو اس کا فعل ہی کافی ہے''۔

تہوّر و حِلم

جب تم کسی کو گالی دیتے دیکھتے ہو، تو اُس پر خفا ہوتے ہو۔ اِس قسم کا غصہ برا نہیں بلکہ ضروری ہے۔ ہاں! غضب کی افراط وتفریط دونوں بُری ہیں۔ اگر بُرے فعل کو دیکھ کر کوئی شخص سکوت اختیار کرے۔ تو یہ بُزدلی ہے۔ جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ بے غیرت بن جاتا ہے۔

غصے کی افراط کو تہوّر کہتے ہیں۔ تہوّر کا ثمرہ بدمزاجی وتندہی ہے۔ تہوّر بُزدلی سے بدتر ہے۔ کیونکہ بُزدلی کا ضرر تو اپنی ذات تک محدود ہے۔ مگر تہوّر کا ضرر دوسروں کو بھی پہنچتا ہے۔ تہوّر بڑا سخت مرض ہے۔ جس کے اِزالہ کے لئے بڑے مجاہدے اور کوشش کی ضرورت ہے۔ اِس کا علاج دوطرح سے ہوتا ہے۔ ایک تو علمی اور دوسرا عملی۔

تہوّر کا علمی علاج یہ ہے۔ کہ شدّتِ غضب کے وقت اُس کے نقصانات اور غصہ ہضم کرجانے کے فوائد پر غور کرے۔ تہوّر کے نقصان چار ہیں:۔

اوّل: طاعتوں کا فاسد ہوجانا۔ غصے کی افراط میں اکثر خلاف شریعت کلمات صادر ہوتے ہیں۔ جن کے سبب پہلی طاعتیں کلیۃً یا جزیۃً ساقط ہوجاتی ہیں۔ خدانخواستہ اگر کوئی کلمہءِ کفر زبان سے نکل جائے، تو ایمان سے خارج ہوجاتا ہے۔

دوم:۔ غضب الٰہی کا خوف، اگر اِنسان دوسرے پر شدت غضب کو کام میں لائے۔ تو سمجھ لے کہ قیامت کے دن وہ بھی خدا کے غضب سے امن میں نہ ہوگا۔

سوم:۔ عداوت کا پیدا ہونا، شدّتِ غضب سے دوسرا شخص دشمن بن جاتا ہے۔ اور ہر دم اِسی کوشش میں رہتا ہے۔ کہ کسی طرح صاحبِ غضب کی عزت وآبرو میں فرق آئے۔

چھارم:۔ شکل کا بگڑنا۔ غصے کی افراط میں خون کے جوش کے سبب چہرہ سرخ ہوجاتا ہے۔ گردن کی رگیں پھول جاتی ہیں۔ تمام بدن میں بیقراری پیدا ہوجاتی ہے۔ اور انسان کاٹنے والے کُتے کے مشابہ بن جاتا ہے۔

جو شخص غصے کو ہضم کرجائے۔ خدا اُس سے راضی ہوتا ہے۔ اُس پر اپنی رحمت بھیجتا ہے۔ اُسے مصیبت اور بلا سے بچاتا ہے۔ قیامت کو اِس کا بڑا اجر دے گا۔ اور اپنا عذاب اُس سے دُور رکھے گا۔ تہوّر کا عملی علاج اُس کے اسباب کے ازالہ سے ہوتا ہے۔ اور وہ یہ ہیں:۔ تکبّر، تمسخر، غیبت، گالی، مار پیٹ، خیانت، وعدہ خلافی، حق چھین لینا، عہد توڑنا، آئے غصے کے فرو کرنے کا آسان علاج یہ ہے۔ کہ اپنے ہاتھ منہ اور پاؤں دہوئے۔ یا کھڑا ہو تو بیٹھ جائے۔ اگر بیٹھنے سے بھی فرو نہ ہو تو لیٹ جائے۔ یا خدا سے یوں دعا مانگے۔ ''الٰہی! میرا گناہ معاف کر، اور میرے دل کے غضب کو دور کر۔ اور شیطان سے مجھے پناہ دے۔'' تہوّر کی ضد حلم ہے۔ حلم وہ ملکہ ہے۔ کہ جس سے دل کو اسبابِ غضب کے وقت اِطمینان وتسکین حاصل رہے۔ آئے غصے کو ہضم کرجانا تحلّم کہلاتا ہے۔ حلم تحلُّم سے افضل ہے۔ کیونکہ حلم میں تو غصہ پایا ہی نہیں جاتا۔ تمام انبیاء و اولیاء حلم سے بہرہ ور رہے ہیں۔ اسی سے انہوں نے غصے کی تیزی کو شکست دی ہے۔ بادشاہوں اور حاکموں کو اِس کی بڑی ضرورت ہے، کیونکہ یہ لوگ بااختیار ہوتے ہیں۔ اگر زیردستوں کے ذرا ذرا قول وفعل پر ناراض ہوں۔ تو وہ بیچارے برباد ہوجائیں۔

نوشیروان نے حکیم بوزرجمہر سے پوچھا۔ کہ حلم کسے کہتے ہیں؟ اُس نے جواب دیا، کہ حلم اَخلاق کے دسترخوان کا نمک ہے۔ لطف یہ کہ اگر حلم کے حروف کو اُلٹ دیں تو ملح بن جاتا ہے۔ جس کے معنے عربی میں نمک کے ہیں۔ جیسے نمک کے بغیر کھانا

مزید ارنہیں ہوتا۔ اُسی طرح حلم کے بغیر کوئی خُلق اچھا معلوم نہیں ہوتا، پھر نوشیروان نے پوچھا کہ حلیم کی علامت کیا ہے؟ بوزرجمہر نے جواب دیا۔ کہ حلیم کے تین نشان ہیں۔ اول یہ کہ جب کوئی ترش رُو اُس سے کڑوی بات کہے۔ تو وہ اُس کے مقابلے میں شیریں جواب دے۔ اگر فعل سے بھی تکلیف دے۔ تو اُس کے عوض میں احسان کرے۔ دوسرے یہ کہ جب غصے کی آگ شعلہ زن ہو تو چُپ ہو جائے۔ تیسرے یہ کہ اگر کوئی شخص حقیقت میں سزا کا مستحق ہو تو اُس کی طرف سے غصے کو فرو کر دے۔

عزیزو! حلم اختیار کرو۔ تم دیکھتے ہو۔ ہم سب کا مالک کیسا حلیم ہے؟ اگر اُس کا حلم نہ ہو۔ تو ہم جیسے گنہگاروں کا کہاں ٹھکانا ہے؟

توکّل

جب تمہیں کوئی امتحان دینا ہوتا ہے۔ تو تم بڑی محنت کیا کرتے ہو۔ یہ عادت تم میں بہت اچھی ہے۔ مگر اتنا یاد رکھو۔ کہ تمہاری کوشش کا ثمرہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اِس واسطے اپنی محنت کے نتیجے کو خدا پر چھوڑ دیا کرو۔ اِسی کا نام توکل ہے۔ جو شخص توکل کرتا ہے۔ عنایت ایزدی سے اُس کے تمام کام دلخواہ انجام پاتے ہیں۔ مگر جو فقط اپنی محنت پر اعتماد کرتا ہے، وہ ناکامیاب رہتا ہے۔

دنیا عالمِ اسباب ہے۔ خدا کی ہم پر بڑی عنایت ہے۔ کہ اُس نے ہر امر کے اسباب پیدا کر دئے ہیں، جس امر کو ہم حاصل کرنا چاہیں۔ اُس کے اسباب کو مہیا کرنا ہمارا فرض ہے۔ یہ ایک غلط خیال ہے۔ کہ کسب اور توکّل میں منافات ہے۔ کسب کا تعلق اعضائے ظاہری سے ہے۔ مگر توکل کا تعلق دل سے ہے۔ اِس لئے ہاتھ پاؤں

سے کوشش کرو اور دل سے خدا کی عنایت پر اعتماد کرو۔ کہ وہ تمہاری کوشش پر اثرِ مقصود مترتب کرے۔ تم دیکھتے ہو، کہ پرندے صبح کو جب بھوکے ہوتے ہیں۔ تو گھونسلوں ہی میں نہیں پڑے رہتے۔ بلکہ دانے کی تلاش میں دُور دُور نکل جاتے ہیں۔ اور شام کو خدا کے فضل سے پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں۔ اگر ہم تمام کام چھوڑ کر گھر میں بیٹھے رہیں۔ اور یہ توقع رکھیں کہ ہمارے منہ میں غیب سے لقمہ آپڑے گا۔ تو یہ توکل نہیں، بلکہ کمال نادانی ہے۔

صبر

خدا نے ہم پر بے شمار عنایتیں کی ہیں۔ اگر اُس کی طرف سے کوئی مصیبت و بلا آئے۔ تو مناسب نہیں کہ اُس کا شکوہ کریں۔ یا بیقراری ظاہر کریں۔ اِسی کا نام صبر ہے۔ صبر کرنے والوں کو خدا بڑا اجر دے گا۔

عزیزو! ہم دنیا دار بلا کی کیا حقیقت جانیں؟ عاشقانِ الٰہی سے پوچھنا چاہئے۔ وہ تو بلا میں خوش رہتے ہیں۔ اور اُسے خدا کا لطف خفی جانتے ہیں۔ کسی نے حضرت جُنید بغدادی سے دریافت کیا کہ آپ ایسی دوڑ دھوپ میں کیوں رہتے ہیں؟ فرمایا کہ جب میں خدا سے بلا طلب کرتا ہوں۔ تو وہاں سے جواب ملتا ہے کہ ابھی تو ہماری بلا کے قابل نہیں ہے۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی نے تو عذاب کا مادہ ہی عذوبت بیان کیا ہے۔ حقیقت میں اِن لوگوں کو عذاب میں عجب حلاوت نصیب ہوتی ہے۔ بلکہ بعض اسرار تو ایسے ہیں، کہ اُن کا اِنکشاف بلا ہی کی حالت میں ہوتا ہے۔ بہر حال اُس منعمِ حقیقی کی طرف سے جو کچھ ہم پر نازل ہو۔ اُسے برا نہ کہنا چاہئے، بلکہ سرِ تسلیم خم کر دینا چاہئے۔

کنجوسی اور فضول خرچی

کنجوسی وہ ملکہ ہے۔ جو اِنسان کو مال خرچ کرنے سے روکتا ہے۔ جہاں مذہب یا مروّت کی رو سے خرچ کرنا واجب ہو۔

فضول خرچی وہ ملکہ ہے۔ کہ جس سے انسان ایسی جگہ مال خرچ کرے۔ جہاں مذہب یا مروّت کی رو سے جائز نہ ہو۔

کنجوسی بُری شے ہے۔ کنجوس دن رات جمع کرنے کی فکر ہی میں رہتا ہے۔ اور مال سے نہ خود فائدہ اُٹھاتا ہے۔ اور نہ دوسروں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ دنیا میں بخیل کی کوئی عزت نہیں کرتا۔ بلکہ اُس کی بیوی اور بال بچے بھی تنگ آکر اُس کی موت کی دعا کرتے ہیں۔ چونکہ وہ مال کے متعلق حقوق کو ادا نہیں کرتا۔ اِس لئے عاقبت میں بھی ذلیل ہی ہوگا۔

کنجوسی کا سبب مال کی محبت ہے۔ حُبِّ مال کے اسباب اور اُن کا علاج بدیں تفصیل ہے۔

اوّل:۔ اولاد کی محبت

اِس کا علاج یہ ہے کہ انسان سوچے، کہ ہر ایک بندے کے ساتھ خدا نے اُس کا رزق پیدا کیا ہے۔ کئی لڑکے ایسے ہیں۔ کہ جن کے باپ کا ترکہ کچھ نہ تھا۔ مگر اُن کا حال دوسروں سے اچھا ہے۔ کہ جن کے باپ بہت سی جائیداد چھوڑ کر مرے۔ اگر اولاد نیک ہو۔ تو خدا اُن کے لئے کافی ہے۔ اگر بدکار ہو، تو اُس مال سے کئی قسم کے گناہ کریں گے۔ جن کی باز پرس باپ سے بھی ہوگی۔ بشرطیکہ اُسے اُن کی بدکاری معلوم ہو، یا اُن کی بدکاری کا ظن ہو۔

دوم: مال کی خوشی

بعض لوگ خصوصاً بوڑھے ایسے ہوا کرتے ہیں، کہ وہ اپنے مال کو فقط دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ اور اُسے اپنی خوراک و پوشاک میں بھی خرچ کرنا گوارا نہیں کرتے۔ یہ بڑا سخت مرض ہے۔ اِس کا علاج یہ ہے۔ کہ وہ بخیلوں کی بدحالی و بدنامی اور سخیوں کی خوشحالی و نیک نامی کو مدنظر رکھیں۔ اور بے تکلّف مناسب خرچ کرنا شروع کریں۔ یہاں تک کہ آہستہ آہستہ کنجوسی کا مرض جاتا رہے۔

سوم: دنیا کی لذتوں کی محبت

اِس کا علاج یہ ہے، کہ زہد اختیار کرے اور اپنی ناپائیداری اور آخرت پر نظر ڈالے۔

کنجوسی کی طرح فضول خرچی بھی بُری ہے۔ مال اللہ تعالیٰ کی نعمت اور آخرت کی کھیتی ہے۔ کیونکہ معاد و معاش کا انتظام اسی سے ہوتا ہے۔ سعادتِ دارین کا ذریعہ یہی ہے۔ بدن جو آلۂ طاعت ہے، اُس کی غذا اور لباس اور مسکن اِسی سے حاصل ہوتا ہے۔ اِسی کی بدولت انسان سوال کی ذلّت سے بچتا ہے۔ سخیوں کا درجہ اِسی سے حاصل ہوتا ہے۔ اِسی سے صلۂ رحم ہوسکتا ہے۔ غریبوں اور محتاجوں کی حاجتیں اِسی سے پوری ہوتی ہیں۔ نفع عام کے کام مثلاً عبادت گاہیں۔ مدرسے۔ کنوئیں، مہمان سرائے اور پُل اِسی سے بنتے ہیں۔ دنیا کے بڑے بڑے کارخانے اِسی سے چلتے ہیں۔ اور بعض بڑے عہدے اِسی کی بدولت ملتے ہیں۔ اِس لئے مال کو دینی یا جائز دنیوی فائدے کے بغیر ضائع کرنا نعمت کی ناشکری ہے۔ جس کا انجام عذابِ الٰہی اور زوالِ نعمت ہے۔

فضول خرچی کئی طرح سے ہوتی ہے۔ ہندوستان کے لوگ ننگ و ناموس کی

خاطر اکثر مرگ وشادی کے موقعوں پر حیثیت سے بڑھ کر کام کرتے ہیں۔ اگر پاس نہ ہو۔ تو دوسروں سے سود پر قرض لیکر ناچ رنگ وغیرہ میں اُڑا دیتے ہیں۔ قرض تو درکنار اُس کا سود بھی اُن سے ادا نہیں ہو سکتا۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے، کہ مکان ہو تو نیلام ہو جاتا ہے، اور زمین ہو تو رہن یا بیع ہو جاتی ہے۔ اور جائیداد منقولہ جو ہو وہ قرق ہو جاتی ہے۔ اِس وقت اُن سے پوچھنا چاہئے، کہ وہ ننگ و ناموس کہاں ہے؟ عمارت میں بھی بہت لوگ فضول خرچی کر جاتے ہیں۔ دوسروں کے چار منزلے مکان دیکھ کر اُن کے دل میں برابری کی اُمنگ پیدا ہو جاتی ہے۔ آخر عمارت اُنہیں غارت کر دیتی ہے۔

بعض دولتمند شراب و کباب وغیرہ ہی میں برباد ہو جاتے ہیں۔ اس سے یہ نہ سمجھنا کہ گناہ میں ہزاروں روپے خرچ کرنا ہی فضول خرچی ہے۔ نہیں بلکہ گناہ میں تو ایک کوڑی بھی خرچ کرنا فضول خرچی میں داخل ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے۔ کہ آیا صدقے میں بھی فضول خرچی ہوتی ہے؟ کسی نے حاتم سے کہا۔ کہ اسراف میں نیکی نہیں۔ اُس نے جواب دیا۔ کہ نیکی میں اسراف نہیں۔

اِس سے بعض لوگوں نے خیال کیا ہے، کہ صدقے میں کسی حالت میں فضول خرچی نہیں۔ اُن کا یہ خیال عموماً درست ہے۔ مگر بعض صورتیں ایسی بھی ہیں۔ کہ جن میں صدقے میں بھی فضول خرچی ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص مقروض ہو، اور وہ اپنا کل مال خیرات کر دے۔ تو یہ فضول خرچی ہے۔ اُسے چاہئے کہ پہلے قرض ادا کرے، یا اتنی خیرات کرے، کہ قرض ادا کرنے کے لئے اُس کے پاس باقی بچا رہے۔

اِسی طرح اگر کوئی شخص اپنا تمام مال راہِ خدا میں دیدے۔ اور اہل وعیال کے لئے کچھ نہ چھوڑے۔ اور وہ صبر بھی نہ کر سکتے ہوں۔ تو یہ فضول خرچی ہے، جس شخص

کے ہاں اہل وعیال نہ ہوں، اگر وہ اپنا تمام مال صدقہ کر دے، اور اُسے اپنے نفس پر بحالتِ اضطرار صبر کا اعتماد نہ ہو۔ تو یہ بھی فضول خرچی ہے۔ مال کے مصارف کا ترتیب یہ ہونی چاہئے۔ اول اپنی ذات، پھر اہل وعیال، پھر رشتے دار، پھر فقراء۔ اگر کوئی شخص پہلے فقراء کو دے۔ حالانکہ خود اُسے یا اُس کے اہل وعیال یا رشتہ داروں کو اُس کی ضرورت ہو اور صبر کرنے کی بھی طاقت نہ ہو۔ تو یہ بھی فضول خرچی میں داخل ہے۔

فضول خرچی کا علاج دو طرح سے ہوتا ہے۔ علمی اور عملی۔ علمی علاج تو یہ ہے۔ کہ فضول خرچی کے نقصانات پر جو اوپر بیان ہوئے، نظر ڈالے۔ عملی علاج اسباب کی شناخت پر موقوف ہے۔ اس لئے فضول خرچی کے اسباب اور اُن کے ازالے کے طریقے ذیل میں لکھے جاتے ہیں۔

اوّل: کم عقلی

کم عقلی عموماً جبلی ہوتی ہے۔ مگر اُس کے ساتھ اور اسباب بھی جمع ہو جاتے ہیں۔ جن سے فضول خرچی کو تقویت پہنچتی ہے۔ دولتمندوں اور امیروں، منصبداروں اور مشائخ کے لڑکے اکثر ایسے کم عقل ہوتے ہیں، کہ انہیں مال کا ٹھیک استعمال نہیں آتا۔ باپ کی آنکھیں بند ہوتے ہی تمام مال مفت ہاتھ لگ جاتا ہے۔ آنکھیں بند کر کے بیدردی سے خرچ کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اُن کے ہم صحبت یار بھی فضول خرچی ہی کی ترغیب دیتے ہیں۔ مفت خورے اور خوشامدی بھی گِدوں کی طرح آموجود ہوتے ہیں۔ اور چند ہی روز میں تمام جائداد کا صفایا کر کے کافور ہو جاتے ہیں۔ ایسے کم عقل کا علاج بہت دشوار ہے۔ اُسے بدکاروں اور خوشامدیوں کی صحبت سے روکا جائے۔

داناؤں کی صحبت اُس پر لازم کردی جائے۔ فضول خرچی کی خرابیاں ہر وقت اُس کے گوش گزار ہوتی رہیں۔ اگر قرینِ مصلحت ہو، تو عتاب وعقاب سے بھی کام لیا جائے۔

دوم: نادانی

بعض لوگ فضول خرچی اور سخاوت میں تمیز نہیں کرسکتے۔ اِس لئے وہ فضول خرچی کرتے ہیں، اور اُسے سخاوت سمجھتے ہیں۔ اِس کا علاج تعلیم ہے۔

سوم: ریاکاری

بعض لوگ دوسروں کے دکھانے کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ اُن کی غرض صرف یہ ہوتی ہے۔ کہ لوگ اُن کی تعریف کریں۔ مگر یہ معلوم رہے، کہ ریاکاروں کو کوئی ثواب نہ ملے گا۔ قیامت کے دن خدا تعالیٰ ناراض ہو کر اُنہیں حکم دے گا۔ کہ تم اپنے اعمال کا اجر لینے کے لئے اُن لوگوں کے پاس جاؤ، جن کے لئے تم نے وہ عمل کئے تھے۔ ریا کا علاج یہ ہے، کہ اُس کی قباحتوں پر نظر ڈالے، اور اخلاص اختیار کرے۔

چہارم: سُستی

بعض دولتمند ایسے سُست ہو جاتے ہیں کہ اپنے مال کی بھی خبر گیری نہیں کرتے۔ اگر بیجا خرچ ہو رہا ہو۔ تو اُنہیں کچھ پروا نہیں۔ اِس کا علمی علاج یہ ہے۔ کہ سوچے کہ خدا نے ہمیں کام کے لئے پیدا کیا ہے۔ ایک جگہ پڑے رہنا جمادات کا خاصہ ہے۔ عملی علاج یہ ہے۔ کہ سُست آدمیوں کی صحبت سے پرہیز کیا جائے۔ اور محنتی لوگوں کی صحبت لازم کردی جائے۔

پنجم: اخلاقی یا مذہبی کمزوری

بعض لوگ مجلسوں میں دوسروں کو گناہ میں روپیہ خرچ کرتے دیکھ کر آپ بھی شرم کے مارے اُن کی تقلید کرتے ہیں۔ عزیزو! ذرا سوچو! بندوں سے شرم کیا؟ خدا سے حیا چاہئے۔ اور اُن لوگوں کی صحبت اختیار کرنی چاہئے۔ جو اخلاق ومذہب میں ثابت قدم ہوں۔

فضول خرچی اور کنجوسی کے عین وسط میں فضیلتِ سخاوت واقع ہے۔ سخاوت وہ خوبی ہے۔ کہ جس میں دین ودنیا کی سعادت ہے، دین کی سعادت تو ظاہر ہے۔ کہ ایک پیسہ خرچ کرے تو عاقبت میں دس لے۔ دنیا کی سعادت یوں ہے کہ سخاوت سے دوسروں کے دل ہاتھ میں آجاتے ہیں۔ اِس لئے سخی کے دنیوی مقاصد آسانی سے پورے ہوجاتے ہیں۔ ایک حکیم سے پوچھا گیا۔ کہ وہ کونسا عیب ہے، کہ جس سے تمام ہُنر پوشیدہ ہوجاتے ہیں؟ اُس نے جواب دیا: بُخل، پھر پوچھا گیا، کہ وہ کونسا ہُنر ہے، کہ جس سے تمام عیب چھپ جاتے ہیں۔ فرمایا: سخاوت۔

اعضائے ظاہری

زبان، آنکھ، کان، ہاتھ، پاؤں وغیرہ اعضائے ظاہری کہلاتے ہیں، اِن کا عطیہ بھی خدا کی ایک بڑی نعمت ہے۔ اِس لئے اِن کو گناہ میں لگانا ناشکری میں داخل ہے۔

اعضائے ظاہری میں سے زبان کا استعمال سب سے زیادہ آسان ہے۔ اِسی سبب سے اِس کی سرکشی بھی زیادہ ہے۔ زبان کا زخم تیروں کے زخم سے بھی سخت ہوتا ہے۔ اِس لئے ہمیں چاہیے، کہ زبان کی باگ ڈھیلی نہ چھوڑیں، اور فحش، تمسخر، جھوٹ، [illegible]، بہتان وغیرہ سے بچائیں۔

بدزبانی

یہ خرابی اِس ملک میں بکثرت ہے۔ گھر ہو، یا بازار، جہاں دیکھو موجود ہے۔ اِس میں عورتیں مردوں سے بھی بڑھی ہوئی ہیں۔ محلّے یا گاؤں میں کوئی دن ایسا نہ ہوگا، کہ عورتیں ایک دوسرے کو گالی گلوچ نہ کرتی ہوں۔

بدزبانی کا نشانہ فقط اِنسان ہی نہیں۔ بلکہ بے زبان حیوانات کو بھی جاہل گاڑی بان، یکّے والے، زمیندار وغیرہ وہ بے نقط سُناتے ہیں۔ کہ شیطان بھی پناہ مانگے۔ بہت سی گالیاں تو ایسی دیتے ہیں۔ کہ اُن کا مصداق وہ خود ہی ہوتے ہیں۔ کاش وہ اپنی زبان کو لگام دیکر رکھیں۔

بدزبانی وہ بُری شے ہے، کہ اِس سے یارانِ قدیم ایک دوسرے سے جُدا ہو جاتے ہیں۔ بعض لوگ مذاق میں اِس کو جائز خیال کرتے ہیں، مگر یہ اُن کی سخت غلطی ہے۔ گالی کہیں جائز نہیں، اس کا نتیجہ ہمیشہ دشمنی ہوتا ہے۔

بدزبانی کا علاج دو طرح سے ہوتا ہے۔ ایک علمی اور دوسرا عملی۔ علمی علاج تو یہ ہے۔ کہ اِنسان سوچے کہ گالی دینے سے خدا نے منع فرمایا ہے۔ دنیا کا کوئی مذہب ایسا نہیں، جو اِسکی اجازت دیتا ہو، گالی دینے والا دو گناہ کرتا ہے۔ ایک تو گالی دینا جس کا خراب اثر خود اُس کے اخلاق پر پڑتا ہے۔ اور دوسرا غیر کو گالی سکھانا، کیونکہ جب دوسروں کو گالی دی جائے، وہ بھی اس کے عوض میں گالی دیں گے۔

عملی علاج یہ ہے۔ کہ بچپن ہی سے اِس خرابی کو روکا جائے۔ والدین بچے کے سامنے کبھی بدزبانی کو کام میں نہ لائیں۔ اور اُسے شریر بدزبانوں کی صحبت سے

بچائیں۔ مدرسے میں اُستاد بھی اِس سے روکیں، اگر اِس طرح عمل کیا جائے۔ تو بچہ عمر بھر کے لئے بدزبانی سے محفوظ رہے گا۔

ہمارے ملک میں بدزبانی کی کثرت کا باعث یہ ہے۔ کہ بچوں کی تربیت اچھی نہیں ہوتی۔ اگر بچہ والدین کے سامنے کسی کو گالی دے۔ تو وہ اُسے روکتے نہیں۔ بلکہ روکنے کو خلاف مقتضائے محبت سمجھتے ہیں۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ بعض دفعہ بچہ اپنی ماں کو بھی گالیاں دے دیتا ہے۔ مگر وہ اِس پر فقط ہنس دیتی ہے۔ اگر اُس سے بچے کی نسبت کچھ کہا جائے۔ تو کہہ دیتی ہے، کہ بڑا ہو کر خود درست ہو جائے گا۔ افسوس! وہ نہیں جانتی، کہ جوں جوں بچہ بڑا ہوگا۔ یہ بُری عادت بھی زور پکڑتی جائے گی۔ پھر اِس کا دُور کرنا نہایت مشکل ہوگا۔ کاش! یہاں کی عورتیں اِن باتوں پر غور کریں۔

غیروں کے حقوق۔ حقوقِ والدین

خدا کی نعمتوں سے دوسرے درجے پر ماں باپ کی نعمت ہے۔ باپ بیٹے کے وجود کا سبب۔ اُس کی تربیت کا وسیلہ اور کمالات کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ وہ اُس کے لئے طرح طرح کی مشقتوں سے دنیوی اسباب جمع کرتا ہے۔ بلکہ اُسے اپنی ذات پر مقدم سمجھتا ہے۔ خود خواہ فاقہ کشی کرے۔ مگر بیٹے کو آسائش میں رکھتا ہے۔ ماں بیٹے کے وجود میں باپ کی شریک ہوتی ہے، پہلی خوراک جو بچے کی زندگی کا باعث ہوتی ہے۔ وہ ماں ہی کا خون ہے۔ بیچاری مدّت دراز تک اُس کی تربیت وحفاظت کرتی ہے۔ اور فرط محبت سے اپنے آپ کو اُس پر فدا کرتی ہے۔ اگر بچے کی طبیعت ذرا ناساز ہو، تو کھانا پینا بھول جاتی ہے اور راتوں جاگتی ہے۔ ازروئے عقل ونقل منعم کا

شکر واجب ہے۔ اِس لئے مقتضائے انصاف یہ ہے۔ کہ خدا کی اطاعت کے بعد ماں باپ کی اطاعت کو واجب سمجھو۔ اُن کی تعظیم و توقیر کرو۔ اُن کی خدمات سے عار نہ کرو۔ بڑھاپے میں انسان کے ہوش وحواس میں فتور آجاتا ہے۔ اور اُس کے افعال و اقوال اکثر بچوں کی مانند فضول معلوم ہوا کرتے ہیں۔ مگر اُس حالت میں بھی ماں باپ کی تعظیم وتکریم نہ چھوڑو۔ اگر والدین بیدین ہوں، تو اُن پر بد دعا نہ کرو۔ بلکہ اُن کی ہدایت کے لئے خدا سے دعا مانگو۔ اور اُن کے ساتھ سلوک واحسان سے کسی طرح دریغ نہ کرو۔ ماں باپ انسان کے حق میں بہشت اور دوزخ ہیں۔ جو اُن کی فرمانبرداری کرے گا۔ وہ بہشت میں جائے گا۔ جو اُنہیں ستائے گا وہ دوزخ میں جگہ پائے گا۔

اِس زمانے میں بعض ناخلف اپنی بی بی کے بہکانے سے والدین کو گھر ہی سے نکال دیتے ہیں۔ یا خود اُن سے جدا ہو کر کسی اور جگہ چلے جاتے ہیں۔ یاد رکھو! جو ماں باپ کو ستائے گا۔ وہ اپنی اولاد سے دُکھ پائے گا۔ اور جو والدین کو آرام دے گا۔ وہ اپنی اولاد سے آرام پائے گا۔ اگر والدین بھلا بُرا بھی کہیں، تو تحمل واجب ہے۔ ماں کا حق باپ کے حق سے بھی زیادہ ہے۔ کیونکہ وہ پرورش وغیرہ میں باپ کی نسبت زیادہ مشقت اُٹھاتی ہے۔

والدین کی وفات کے بعد بھی اُن کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ وہ اِس طرح کہ اُن کے لئے دعائے مغفرت کرو۔ اُن کی وصیّت کو پورا کرو۔ اُن کے رشتہ داروں سے اچھا برتاؤ کرو۔ اور اُن کے دوستوں کی تعظیم کرو۔

عزیزو! ماں باپ کی نافرمانی سے خدا ناراض ہوتا ہے۔ اُنہیں گالی دینا سخت گناہ ہے۔ اکثر لڑکے خود تو اپنے والدین کو گالی نہیں دیتے۔ مگر دوسروں کے ماں باپ کو گالی دے

دیتے ہیں۔ اور وہ اِس کے عوض میں اِن کے ماں باپ کو گالی دیتے ہیں۔ یہ صورت بھی اپنے والدین کو خود گالی دینے کے برابر ہے۔ کیونکہ گالی دلانے کا باعث یہ خود بنتے ہیں۔

بعض لڑکے ایسے ناخلف ہوتے ہیں۔ کہ ماں باپ کے تمام احسانات کو پسِ پشت ڈال کر اُن کے بدخواہ بن جاتے ہیں۔ چنانچہ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔ کہ میں دیارِ بکر میں ایک مالدار بوڑھے کے ہاں مہمان ہوا۔ جس کا صرف ایک بیٹا تھا۔ ایک رات اُس بوڑھے نے بیان کیا۔ کہ تمام عمر میں میرے گھر میں اِس لڑکے کے سوا کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا۔ اِس جنگل میں ایک درخت ہے جہاں لوگ مرادیں مانگنے جاتے ہیں۔ میں راتوں اُس درخت کے نیچے رویا ہوں۔ تب خدا نے مجھے یہ لڑکا عطا فرمایا ہے، شیخ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ میں نے سُنا۔ وہ لڑکا اپنے دوستوں سے آہستہ آہستہ یوں کہہ رہا تھا۔ ’’کاش! مجھے معلوم ہوتا کہ وہ درخت کہاں ہے۔ تاکہ میں دعا کرتا۔ کہ میرا باپ مرجائے‘‘۔

والدین کی طرح دیگر رشتہ داروں اور اقارب کے حقوق کی رعایت بھی واجب ہے۔ جو زیادہ قریبی ہو۔ اُس کا حق بھی بعید سے زیادہ ہے۔ جو لوگ اپنے رشتہ داروں سے احسان وسلوک کرتے ہیں۔ وہ اُن کے فرمانبردار بن جاتے ہیں۔ اور جان ومال اُن پر قربان کردیتے ہیں۔ اس کے علاوہ صلۂ رحم کرنے والے دنیا میں ہمیشہ نیک نام مشہور ہوتے ہیں۔

اُستاذ کے حقوق

اُستاد روحانی باپ ہوتا ہے۔ اِس لئے اُس کی تعظیم بھی باپ کی طرح بلکہ اُس

سے زیادہ کرنی چاہئے۔ سکندر ذوالقرنین سے پوچھا گیا کہ تو کس واسطے باپ کی نسبت اُستاد کی تعظیم زیادہ کرتا ہے۔ اُس نے جواب دیا۔ کہ ''میرے باپ نے مجھے آسمان سے زمین پر اُتارا۔ مگر میرا اُستاد مجھے زمین سے آسمان پر پہنچاتا ہے''۔ سکندر کا یہ جواب نہایت عمدہ اور آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے۔ کہ روح عالمِ ملکوت سے عالمِ کون وفساد میں اُس وقت آتی ہے۔ جب کہ ماں کے پیٹ میں ہمارے بدن سے اُس کا تعلق پیدا ہوتا ہے۔ چونکہ بدن کے حدوث کا باعث والدین ہی ہیں۔ اِس لئے والدین ہمیں گویا آسمان سے زمین پر لاتے ہیں۔ مگر اُستاد اس کے برعکس ہمیں زمین سے آسمان پر پہنچا دیتا ہے۔ کیونکہ وہ علوم ومعارف کے ساتھ ہماری روح کی تکمیل کرتا ہے۔ جس سے وہ عالم فنا سے عالمِ بقا میں پہنچ جاتی ہے۔ شاگرد کو چاہئے۔ کہ استاد کے سامنے ادب سے رہے۔ اُس کے آگے ننگے سر نہ بیٹھے۔ جب وہ خفا ہو، تو زیادہ کلام نہ کرے۔ اُس کی جگہ پر نہ بیٹھے۔ ہمیشہ اُس کی نسبت حسنِ اعتقاد رکھے۔ پیر کامل سے وہی مرید فیض اُٹھاتا ہے۔ جو حسن عقیدت رکھتا ہو۔ جو اپنے اُستاد کو اذیّت دے گا۔ وہ علم کی برکت سے محروم رہے گا۔ جو شخص یہ چاہے، کہ اُس کا بیٹا عالِم ہو۔ اُسے چاہئے۔ کہ عالموں کی تعظیم وتواضع کرے۔

امام فخر الدین ارسابندی جو مرو میں رئیس الائمہ تھے۔ اُن کا یہ پایہ تھا کہ پادشاہِ وقت بھی اُن کا احترام کرتا تھا۔ امامِ موصوف فرمایا کرتے تھے۔ کہ مجھے یہ منصب اِس لئے ملا ہے۔ کہ میں اپنے اُستاذ ابو یزید دَبُوسی کی خدمت کیا کرتا تھا۔ اُن کا کھانا پکایا کرتا تھا۔ اور آپ اُس میں سے کچھ نہ کھایا کرتا تھا۔ امام شمس الائمہ حلوانی کو کسی حادثے کے سبب بخارا چھوڑ کر ایک گاؤں میں چندروز رہنا پڑا۔ اُن کے تمام شاگرد

اُس گاؤں میں زیارت کو آئے مگر ایک شاگرد امام ابوبکر زرنجی نہ آیا۔ بعد میں جب وہ شمس الائمہ سے ملا، تو آپ نے نہ آنے کا سبب پوچھا۔ اُس نے عرض کی۔ کہ میں اپنی والدہ کی خدمت میں مشغول تھا۔ فرمایا کہ تیری عمر میں برکت ہوگی۔ مگر تدریس کی نعمت سے تو محروم رہیگا۔ جیسا اُستاذ بزرگوار نے فرمایا تھا۔ ویسا ہی ظہور میں آیا۔ کیونکہ اُس بیچارے کو اکثر گاؤں میں رہنا پڑا۔ جہاں تعلیم کیلئے کوئی طالب علم نہ ملا۔ کہتے ہیں، کہ ہارون رشید خلیفہ بغداد نے اپنے بیٹے کو امام اِصمعی کے پاس تعلیم کیلئے بھیجا۔ ایک روز خلیفہ نے دیکھا، کہ اصمعی وضو کر رہا ہے، اور شاہزادہ پاؤں پر پانی ڈال رہا ہے۔ خلیفہ نے اصمعی پر خفا ہو کر کہا۔ میں نے اپنا بیٹا اِس واسطے بھیجا ہے۔ کہ تو اُسے علم وادب سکھائے۔ تو نے کس لئے اُسے حکم نہیں دیا۔ کہ ایک ہاتھ سے پانی ڈالے اور دوسرے سے پاؤں دھوئے؟

عزیزو! استاذ کا حق کبھی نہ بھولو۔ اگر کسی کے دل میں اُستاد کی محبت و وقعت نہیں۔ تو یقین جانو، کہ اُسے بجز حرمان کچھ نصیب نہیں، جو خادم ہوتا ہے۔ وہ ایک روز مخدوم بن جاتا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ ''حرمتِ اُستاد سیرتِ اوتاد ہے''۔

ہمسایوں کے حقوق

پڑوسیوں کا حق یہی نہیں کہ ہم اُن سے اذیّت کو دور کریں۔ بلکہ اُن کے آرام کی خاطر اذیّت برداشت کریں۔ اور اُن کے ساتھ نرمی واحسان کریں۔ ایک نیک آدمی کے گھر میں چوہے بہت رہتے تھے، کسی نے اُس سے کہا۔ کہ آپ بلّی پال لیں۔ اُس نے جواب دیا۔ کہ مجھے اندیشہ ہے۔ کہ چوہے بلّی کی آواز سُن کر ہمسایوں کے گھروں

میں بھاگ جائیں گے۔ اور اُنہیں تکلیف دیں گے۔ اِس لئے میں دوسروں کے لئے وہ بات کیوں پسند کروں۔ جو اپنے واسطے پسند نہیں کرتا۔

ہر ایک انسان پر واجب ہے۔ کہ بیماری میں اپنے ہمسائے کی عیادت کرے۔ مصیبت میں اُس کی ہمدردی کرے۔ غمی اور خوشی میں اُس کا شریک رہے۔ اپنے مکان کی چھت پر سے اُس کی پردہ دری نہ کرے۔ اُس کی اجازت کے بغیر اپنا مکان اِس قدر اونچا نہ بنائے کہ ہوا رُک جائے۔ اُس کی دیوار پر اجازت کے بغیر شہتیر نہ رکھے۔ اپنے مکان کی چھت کے پانی کا نکاس اُس کے پرنالے میں نہ رکھے۔ اُس کے صحن میں کوڑا کرکٹ نہ ڈالے۔ اُس کے مکان کی طرف کا راستہ تنگ نہ کرے۔ اُس کی غیر حاضری میں اُس کے گھر کا خیال رکھے۔ اُس کے بچوں کے ساتھ نرمی سے کلام کرے۔ ضرورت کے وقت قرض وغیرہ سے اُسے مدد دے۔ جب بازار سے میوہ وغیرہ خرید کر لائے۔ تو اُس کے ہاں بھی ہدیہ کے طور پر بھیج دے۔ ورنہ اپنے بچے کو کھاتے ہوئے باہر نہ نکلنے دے۔ کہ جس سے اُس کا بچہ ناراض ہو کر رونے لگے۔ اپنی ہانڈی میں زیادہ پانی ڈالے، تاکہ غریب پڑوسی بھی اُس میں سے کھائے۔ یہ خلاف مروّت ہے کہ آپ پیٹ بھر کر کھائے، اور ہمسایہ بھوکا رہے۔ اگر وہ مر جائے۔ تو اُس کے جنازے کے ساتھ جائے۔

حیوانات کے حقوق

حیوانات سے ہمیں بہت سے فائدے پہنچتے ہیں۔ کسی سے ہم سواری کا کام لیتے ہیں۔ کسی پر بوجھ لادتے ہیں۔ کسی سے حفاظت کا کام لیا جاتا ہے۔ بعض دودھ دیتے ہیں۔ بعض حصول معاش میں ہماری مدد کرتے ہیں۔ بعض کے بالوں اور پشم سے ہمارے جاڑے (سردیوں) کے کپڑے بنتے ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتے۔ تو ہم اِن تمام فوائد سے محروم رہتے۔ اِس لئے ہر ایک انسان پر واجب ہے۔ کہ چارپایوں کو پیٹ بھر خوراک دے۔ اُن کی طاقت سے بڑھ کر کام نہ لے۔ خدمت لینے کے بعد اُنہیں کافی آرام دے۔ کام لیتے وقت اُن کو نہ مارے کیونکہ ہماری طرح وہ بھی درد و تکلیف محسوس کرتے ہیں۔ بعض لوگوں کی عادت ہے۔ کہ گھوڑے کو ٹھہرا کر اُس کی پیٹھ پر بیٹھے ہوئے دیر تک دوسروں سے باتیں کرتے رہتے ہیں۔ مگر گھوڑے کی پیٹھ سے منبر کا کام نہیں لینا چاہئے۔ اگر ضرورت ہو تو فرشِ زمین پر کھڑے ہو کر کلام کریں۔ یہ بڑی بے رحمی ہے۔ کہ نشانہ بازی کی مشق کے لئے بیجان چیز کی جگہ کوئی جاندار چیز رکھ لی جائے۔ چارپایوں کے کان اور دُم کاٹنے سے پرہیز کرنا چاہئے۔ بعض لوگ ایسے وحشی ہیں۔ کہ زندہ دُنبہ کی چکی یا زندہ اونٹ کی کوہان کاٹ کر کھا جاتے ہیں۔ مگر اُنہیں معلوم رہے کہ ایسا گوشت حرام ہے۔

چارپایوں اور پرندوں کو آپس میں لڑانا نہ چاہئے۔ ہاتھیوں اور مینڈھوں کو لڑانا، مرغ بازی، بٹیر بازی، اور اِس قسم کی تمام بازیاں منع ہیں۔ حیف ہے اُن لوگوں پر جو انہیں تفریح سمجھتے ہیں۔

عزیزو! حیوانات کو گالی نہ دو۔ بلکہ اُن سے نرمی سے کام لو۔ بعض بے رحم لڑکے پرندوں کے انڈے اور بچے گھونسلوں سے نکال کر تلف کر دیتے ہیں۔ اُنہیں سوچنا چاہئے کہ اگر کوئی اُن کو ماں باپ سے جُدا کر کے کسی جنگل یا پہاڑ میں لے جائے۔ تو اُن کی کیا حالت ہوگی۔ بعض دفعہ گھروں کے صحن میں چیونٹے نمودار ہوتے ہیں۔ لوگ سنگدلی سے اُنہیں آگ سے جلا دیتے ہیں۔ یہ نہایت سخت عذاب ہے، ایسا ہرگز نہ چاہئے۔

حضرت شبلی جو کہ ایک کامل ولی گزرے ہیں۔ ایک دفعہ کسی گندم فروش کی دُکان سے گیہوں کا تھیلہ اپنے کندھے پر اُٹھا کر گاؤں لے گئے۔ وہاں پہنچ کر دیکھا کہ غلّہ میں ایک چیونٹی سرگشتہ ہر طرف پھر رہی ہے۔ آپ کو اُس پر رحم آیا۔ اور بے چینی میں رات کو نیند نہ آئی۔ صبح ہوتے ہی اُسے اصلی جگہ پر لا کر چھوڑ دیا۔ اور فرمانے لگے، کہ یہ مروت نہیں کہ میں اِس ضعیف چیونٹی کو بے خان و مان کر دوں۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت بوستاں میں لکھا ہے۔ کہ آپ نے ایک دفعہ صنعاء واقع یمن کے جنگل میں ایک کُتّے کو دیکھا۔ اُس کے شکاری دانت تمام گر گئے تھے۔ طاقت طاق (ختم) ہوگئی تھی۔ اور بوڑھی لومڑی کی طرح عاجز پڑا ہوا تھا۔ اُس کی کمزوری اور خستہ حالی پر آپ کو رحم آیا۔ اپنی آدھی خوراک اُسکے آگے ڈال دی۔ اور رو کر فرمانے لگے۔ کسے معلوم ہے، کہ ہم دونوں میں سے کون بہتر ہے؟ دنیا میں بظاہر میں بہتر ہوں۔ قیامت کو دیکھیں مجھ پر کیا حکم صادر ہوتا ہے۔ اگر میں دنیا سے ایمان سلامت لے جاؤں۔ تو خدا کے فضل سے نجات پاؤنگا۔ ورنہ میں کُتّے سے بدتر ہوں۔ کیونکہ باوجود نجس ہونے کے کُتا جب مرے گا۔ اُسے دوزخ میں نہ لے جائیں گے۔ اور مجھے مکلّف ہونے کے سبب گناہوں کی سزا دوزخ میں بھگتنی پڑے گی۔

خدا تعالیٰ کے حقوق

ایک دن وہ تھا، کہ تم اِس جہان میں نہ تھے۔ خدا تعالیٰ نے تمہیں نیست سے ہست بنایا۔ اور نیک و بد میں تمیز کرنے کو عقل دی۔ اور ہاتھ پاؤں دیئے۔ جن سے ضروریات بہم پہنچانے میں تمہیں مدد ملتی ہے۔ تمہارے رہنے کے لئے اُس نے ایک عالیشان محل بنایا ہے۔ جس کا فرش زمین اور چھت آسمان ہے۔

اِس فرشِ خاکی کے اندر خدا نے مختلف مقامات پر سونے چاندی وغیرہ قیمتی دھاتوں کے ڈھیر لگا دیئے ہیں۔ جنہیں نکال کر تم اپنے استعمال میں لاتے ہو۔ اِسی پر اُس نے دریا سمندر اور چشمے جاری کر دیئے ہیں۔ دریاؤں میں سے نہروں کے ذریعے تم آب پاشی کرتے ہو۔ سمندروں میں جہاز چلتے ہیں۔ جن سے تمہاری آمد و رفت اور تجارت ہوتی ہے۔ انہی میں موتی اور مونگے پیدا ہوتے ہیں۔ جو تمہاری زینت اور آرائش کے کام آتے ہیں۔ بعض چشموں کے پانی سے تم کئی قسم کی بیماریوں سے شفا پاتے ہو۔ اور بعض میں سے ایسا گرم پانی نکلتا ہے۔ کہ تم اپنا کھانا پکا سکتے ہو۔ زمین ہی سے خدا تمہارے واسطے اناج اور رنگا رنگ میوے پیدا کرتا ہے۔ بادل سے مینہ برساتا ہے۔ جس سے پہلے کھیتوں میں سبزی اُگتی ہے۔ پھر اُس سبزی میں سے خوشے نکل آتے ہیں۔ اِسی پانی سے انگور۔ انار، خرما اور زیتون وغیرہ میووں کے باغ پرورش پاتے ہیں۔ مگر اُن کے پھل صورت رنگ و بُو اور مزے میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ پھر ہر درخت کے پھل کی طرف دیکھو۔ جب کچّا ہوتا ہے۔ تو بدمزہ ہوتا ہے۔ جب پک جاتا ہے۔ تو کیسا لذیذ اور خوشگوار بن جاتا ہے؟ اِسی فرش پر

خدا نے تمہارے واسطے چار پائے پیدا کئے ہیں۔ بعض کے بالوں سے تمہارے جاڑے کے کپڑے بنتے ہیں۔ بعض تمہاری زراعت میں کام دیتے ہیں۔ کسی سے تم سواری اور بوجھ اُٹھانے کا کام لیتے ہو۔ اِس کے علاوہ یہ تمہارے گھروں کی زینت ہیں۔ صبح و شام تمہارے دروازے کے سامنے کھڑے ہوئے کیسے خوبصورت معلوم ہوتے ہیں۔ چار پایوں کو تم خار و خاشاک اور گھاس کھانے کے لئے دیتے ہو۔ اِس عنایت الٰہی کو دیکھو، کہ اِس میں سے تمہارے پینے کیواسطے دودھ پیدا ہوتا ہے۔ اور پھوک گوبر ہو کر نکل جاتا ہے۔ اِسی طرح شہد کی مکھی ہر قسم کے کڑوے اور میٹھے پھول چوستی ہے۔ مگر اُس سے شہد شیریں پیدا ہوتا ہے۔

اب تم اپنے رہنے کے عالیشان محل کی بے ستون چھت پر غور کرو۔ یہ چھت بہت سی قندیلوں سے مزیّن ہے۔ سب سے بڑی قندیل تو دن کے وقت تمہیں روشنی دیتی ہے۔ اِسی قندیل کی روشنی سے تمہارے واسطے اناج اور میوے پکتے ہیں۔ اور اِسی سے تمہارے واسطے نئے نئے موسم پیدا ہوتے ہیں۔ رات کے وقت ایک اور بڑی قندیل تمہارے محل کو روشن کرتی ہے۔ مگر اِسکی روشنی پہلی قندیل سے بہت مختلف ہے۔ انہی دونوں قندیلوں سے تم سال و ماہ کا شمار کرتے ہو۔ اگر رات کے وقت دوسری قندیل تمہاری نظر سے غائب ہو۔ تو اور چھوٹی چھوٹی قندیلیں روشن نظر آتی ہیں۔ اگرچہ اِن کی روشنی بہت کم ہے۔ مگر اندھیری رات میں اِنہی سے تم سفر میں اپنا رستہ پہچان لیتے ہو۔ جہاں گھڑی نہ ہو۔ وہاں رات کی درازی تم اِنہی سے معلوم کرتے ہو۔

عزیزو! خدا کی نعمتیں اِسقدر ہیں۔ کہ اُن کا شمار نہیں ہوسکتا۔ اگر ہمارے بدن کا ہر ایک بال زبان ہو جائے۔ تو بھی ہم اُس کی نعمتوں کے شکر سے عہدہ برآ نہیں

ہوسکتے۔ مگر پھر بھی ہم میں سے ہر ایک کا یہ فرضِ عین ہے۔ کہ حتّی المقدور دل، زبان، آنکھ، کان اور ہاتھ پاؤں سے اُس کا شکر ادا کرتا رہے۔ دل سے شکر یہ ہے۔ کہ اپنے منعمِ حقیقی کو پہچانے۔ اور جو نعمت حاصل ہو۔ اُسے اُسی کی طرف سے سمجھے۔ زبان سے شکر یہ ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرے۔ اُس کے کلام کی تلاوت کرے۔ جاہلوں کو طریقِ حق بتائے۔ اور شکوہ و شکایت۔ جھوٹ اور غیبت سے پرہیز کرے۔ آنکھ سے شکر یہ ہے۔ کہ نیرنگئی قدرت پر عبرت سے نظر ڈالے۔ ضعیفوں اور زیردستوں پر شفقت کی نگاہ رکھے۔ نیکوں اور عارفوں کو تعظیم و حرمت کی نظر سے دیکھے۔ اور کسی کی طرف بُری نگاہ نہ کرے۔ کان سے شکر یہ ہے۔ کہ کلامِ الٰہی پند و نصائح اور بزرگوں کے سوانح سُنے۔ اور جھوٹ اور فحش سُننے سے پرہیز کرے۔ ہاتھ سے شکر یہ ہے کہ اپنی کمائی سے اپاہجوں اور محتاجوں کی دستگیری کرے۔ کسی کو ناحق نہ مارے۔ حرام مال نہ لے۔ اور جھوٹ نہ لکھے۔ پاؤں سے شکر یہ ہے۔ کہ خدا کی عبادت۔ بیماروں کی عیادت۔ اور نیکوں کی زیارت کو جائے اور حرام امر کے لئے قدم نہ رکھے۔

شکر بجالانے سے نعمت میں ترقی ہوجاتی ہے۔ چنانچہ اگر کوئی آقا اپنے غلام کو ایک نعمت دے۔ اور وہ غلام اُس نعمت کا حق ادا کرے۔ تو آقا خوش ہو کر اُسے اور نعمت عطا کردیتا ہے۔ مگر ناشکری سے پہلی نعمت بھی زائل ہوجاتی ہے۔ ناشکری کمال درجے کا کمینہ پن ہے۔ تم جانتے ہو۔ کہ تمام مخلوقات میں سے انسان اشرف اور کُتا ارذل ہے۔ مگر داناؤں کا اِس امر پر اتفاق ہے۔ کہ حق شناس کُتا ناسپاس آدمی سے بہتر ہے۔

عزیزو! خدا کی نعمتوں کے بیجا استعمال سے بچو۔ اُس کے دئے ہوئے ہاتھ پاؤں

اور مال و دولت کو ہرگز کسی گناہ میں صرف نہ کرو۔ ورنہ تم کافرِ نعمت کہلاؤ گے۔ اگر کوئی پادشاہ اپنے کسی غلام کو مال و خلعت اور اسپ و شمشیر عطا کر کے یہ حکم دے۔ کہ "اِس مال میں سے بقدرِ حاجت آپ خرچ کرنا۔ اور باقی ہمارے خیر خواہوں کو دے دینا، اور اِس خلعت کو پہن تلوار ہاتھ میں لے کر اور گھوڑے پر سوار ہو کر ہمارے دشمنوں سے جنگ کرنا۔" مگر وہ غلام بجائے اِس کے مال تو پادشاہ کے دشمنوں کو دیدے۔ اور خلعت پہن، تلوار پکڑ کر اور گھوڑے پر سوار ہو اُسی پادشاہ کے مخالفت پر آمادہ ہو جائے۔ تو اِس غلام کے کافرِ نعمت اور واجب القتل ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے؟ خبردار! کسی نعمت کو خدا کی مخالفت میں استعمال نہ کرنا۔ ایک دن تم سے تمام نعمتوں کی باز پرس ہوگی۔ اور تمہارے ہاتھ پاؤں تمہارے برخلاف شہادت دیں گے۔



حضرت علامہ مولانا پروفیسر محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ

کی دیگر ایمان افروز قابل مطالعہ کتب

- سیرت رسول عربی
- مولود برزنجی
- عید میلاد النبی ﷺ
- معجزات النبی ﷺ
- حلیۃ النبی ﷺ
- غزوات النبی ﷺ
- عقائد نامہ
- اعجاز القرآن
- مقدمۃ التفسیر
- تفسیر سورۃ فاتحہ
- سرگزشت ابن تیمیہ
- عربی قصیدہ بردہ شریف
- اردو قصیدہ بردہ شریف
- سیرت غوث اعظم
- تذکرہ غوث اعظم
- تذکرہ مشائخ نقشبند
- تحفہ شیعہ دو جلد
- مناقب ابی حنیفہ
- رسالہ نور
- امام بخاری شافعی
- ہدیہ یوسفیہ
- التحفۃ الابراھیمیہ فی اعفاء اللحیہ
- ترجمہ وحواشی رسالہ تحقیق المرام فی القراءۃ خلف الامام
- مصابیح الظلام
- نور ہدایت
- اردو قاعدہ
- تصوف اور رہبانیت
- صحیح بخاری اور بندروں کی کہانی
- سیرت حسن ترجمہ تاریخ گبن
- الرسالۃ الجلیۃ فی اثبات الوسیلہ
- افضل المقال فی رد علی الرافضی الضال
- شرح ہدایہ
- البرزخ
- عقائد اہل سنت و جماعت
- اتمام الحجۃ علی منکر السنۃ

اور زیر نظر کتاب **گلشن اخلاق**